مراۃ العروس

ڈپٹی نذیر احمد

دیباچہ اول

ڈاکٹر مولوی نذیر احمد دہلوی

خداوند کریم کا شکر اپنی گویائی کی بساط بھر تو ادا ہو ہی نہیں سکتا۔ اس کی بندہ نوازیوں اور ہزاروں لاکھوں نعمتوں کی مکافات کا حوصلہ چھوٹا منہ بڑی بات۔ پیغمبر صاحب کی مدح اپنی ارادت ناقص کی قدر تو بن ہی نہیں پڑتی۔ ان کی شفقتوں اور دل سوزیوں کی تلافی کا دعویٰ اتنی سی جان گز بھر کی زبان۔ حمد و نعت کے بعد واضح ہو کہ ہرچند اس ملک میں مستورات کو پڑھانے لکھانے کا رواج نہیں مگر پھر بھی بڑے شہروں میں بعض شریف خاندانوں کی اکثر عورتیں قرآن مجید کا ترجمہ مذہبی مسائل اور نصائح کے اردو رسائل پڑھ پڑھا لیا کرتی ہیں' میں خود خدا کا شکر کرتا ہوں کہ میں بھی دہلی کے ایک ایسے ہی خاندان کا آدمی ہوں۔

خاندان کے دستور کے بموجب میری لڑکیوں نے بھی قرآن شریف اور اس کے معنے' قیامت نامہ' راہ نجات وغیرہ اس قسم کے چھوٹے چھوٹے اردو رسائل گھر کی بڑی بوڑھیوں سے پڑھے' گھر میں رات دن پڑھنے لکھنے کا چرچا تو رہتا تھا' میں دیکھتا تھا کہ ہم مردوں کے دیکھا دیکھی لڑکیوں کو بھی علم کی طرف ایک خاص رغبت ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی مجھ کو یہ بھی معلوم ہوتا تھا کہ نرے مذہبی خیالات بچوں کے مناسب حالت نہیں اور جو مضامین ان کے پیش نظر رہتے ہیں ان سے ان کے دلوں کو افسردگی' ان کی طبیعتوں کو انقباض اور ان کے ذہنوں کو کندی ہوتی ہے' تب مجھ کو ایسی کتاب کی جستجو ہوئی جو اخلاق و نصائح سے بھری ہوئی ہو اور ان معاملات میں جو عورتوں کو اپنے زندگی میں پیش آتے ہیں اور عورتیں اپنے توہمات اور جہالت اور کج رائی کی وجہ سے ہمیشہ ان میں مبتلائے رنج و مصیبت رہا کرتی ہیں ان کے خیالات کی اصلاح اور ان کی عادات کی تہذیب کرے اور کسی دلچسپ پیرائے میں ہو جس سے دل نہ اکتائے' طبیعت نہ گھبرائے مگر تمام کتب خانہ چھان مارا ایسی کتاب کا پتا نہ ملا پر نہ ملا۔ تب میں نے اس قصے کا منصوبہ باندھا۔ تین برس ہوئے میں جھانسی میں تھا کہ اکبری کا حال قلم بند کیا۔ لڑکیوں کو تو اس کا وظیفہ ہو گیا اور ہر روز ختم کتاب کا تقاضا شروع کیا' یہاں تک کہ ڈیڑھ برس کے بعد اصغری کا حال بھی لکھا گیا' ہوتے ہوتے اس کتاب کا چرچا محلّہ میں ہوا اور چند عورتیں اس کو سننے آئیں جس نے سنا رہجھ

گئی اونچے اونچے گھروں میں کتاب منگوائی گئی نقل لینے کے ارادے ہوئے اسی اثناء میں بڑی لڑکی کا عقد کر دیا گیا اور بطور جوہر بیش بہا یہ کتاب میں نے اس کے جہیز میں دی اس کے سسرال میں اس کتاب کی خوب شہرت ہوئی۔ جب میں نے دیکھ لیا کہ یہ کتاب عورتوں کے لیے نہایت مفید ہے اور خوب دل لگا کر پڑھتی اور سنتی ہیں تب اس کو جناب صاحب ڈائرکٹر بہادر مدارس ممالک شمالی و مغربی کے ذریعے سے سرکار میں پیش کیا۔ سرکار کی قدردانی نے تو میری آبرو اور اس کی کتاب کی قیمت کو ایسا بڑھایا کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ میں نے خاطر خواہ اپنی مراد اور محنت کی داد پائی۔ جو کچھ وقت اس کتاب کی تصنیف میں صرف ہوا اس کے علاوہ مدتوں یہ کتاب اس غرض سے پیش نظر رہی کہ بولی بامحاورہ ہو اور خیالات پاکیزہ اور کسی بات میں آورد کا دخل نہ ہو چونکہ بالکل نئے طور کی کتاب ہے۔ عجب نہیں کہ پھر بھی اس میں کسر رہ گئی ہو ناظرین سے توقع ہے کہ معذور رکھیں کیونکہ اس طرز میں یہ پہلی ہی تصنیف ہے۔

العبد

نذیر احمد وفقہ اللہ التزود لغد

دیباچہ دوم

ڈاکٹر مولوی نذیر احمد دہلوی مرحوم

جو آدمی دنیا کے حالات پر غور نہیں کرتا اس سے زیادہ کوئی بیوقوف نہیں ہے اور غور کرنے کے واسطے دنیا میں ہزاروں طرح کی باتیں ہیں لیکن سب سے عمدہ اور ضروری آدمی کا حال ہے۔

غور کرنا چاہیئے کہ جس روز سے آدمی پیدا ہوتا ہے۔ زندگی میں مرنے تک اس کو کیا کیا باتیں پیش آتی ہیں' اور کیوں کر اس کی حالت بدلا کرتی ہے۔ انسان کی زندگی میں سب سے اچھا وقت لڑکپن کا ہے۔ اس عمر میں آدمی کو کسی طرح کی فکر نہیں ہوتی' ماں باپ نہایت شفقت اور محبت سے اس کو پالتے ہیں اور جہاں تک بس چلتا ہے اس کو آرام دیتے ہیں۔ اولاد کا اچھا کھانے اچھا پہننے سے ماں باپ کو خوشی ہوتی ہے' بلکہ ماں باپ اولاد کے آرام کے واسطے اپنے اوپر تکلیف اور رنج گوارا کر لیتے ہیں

مرد جو باپ ہوتے ہیں کوئی مزدوری اور محنت سے کماتے ہیں' کوئی پیشہ کرتے ہیں' کوئی سوداگری' کوئی نوکری' غرض جس طرح بن پڑتا ہے اولاد کی آسائش کے واسطے روپیہ پیدا کرتے ہیں۔ عورتیں جو ماں ہوتی ہیں اگر باپ کی کمائی گھر کے خرچ کے لیے کافی نہیں ہوتی' بعض اوقات خود روپیہ پیدا کرنے کے لیے کمائی کرتی ہیں' کوئی ماں سلائی کا سیتی ہے۔ کوئی گوٹا بنتی ہے' کوئی ٹوپیاں کاڑھتی ہے' یہاں تک کہ مصیبت کی ماری ماں چرخہ کات کر' چکی پیس کر یا ماماگری کر کے اپنے بچوں کو پالتی ہے' اولاد کی محبت جو ماں باپ کو ہوتی ہے ہرگز بناوٹ اور ظاہرداری کی نہیں ہوتی بلکہ سچی اور دلی محبت ہے اور خدائے تعالیٰ نے جو بڑا دانا ہے' اولاد کی یہ ماتا ماں باپ کو اس لیے لگا دی ہے کہ اولاد پرورش پائے۔

ابتدائے عمر میں بچے نہایت بے بس ہوتے ہیں' نہ بولتے نہ سمجھتے' نہ چلتے نہ پھرتے' اگر ماں باپ محبت سے اولاد کو نہ پالتے تو بچے بھوکوں مرجاتے' کہاں سے ان کو روٹی ملتی' کہاں سے یہ کپڑا لاتے اور کیونکر بڑے ہوتے' آدمی پر کیا موقوف ہے۔ جانوروں میں بھی اولاد کی ماتا بہت سخت ہے۔

مرغی بچوں کو کس طرح پالتی ہے؟ دن بھر ان کو پروں میں چھپائے بیٹھے رہتی ہے' اور ایک

دانہ بھی اناج کا اس کو ملتا ہے تو آپ نہیں کھاتی' بچوں کو بلا کر چونچ سے ان کے آگے رکھ دیتی ہے اور اگر چیل یا بلی اس کے بچوں کو مارنا چاہے تو اپنی جان کا خیال نہ کر کے لڑنے اور مرنے کو موجود ہو جاتی ہے۔

غرض یہ خاص محبت ماں باپ کو صرف اسی لیے خدا نے دی ہے کہ چھوٹے سے ننھے ننھے بچوں کو جو ضرورت ہو انکی نہ رہے' بھوک کے وقت کھانا اور پیاس کے وقت پانی' سردی سے بچنے کو گرم کپڑا اور ہر طرح کے آرام کی چیز وقت مناسب پر مل جائے۔ دیکھنے سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ یہ خاص محبت اسی وقت تک رہتی ہے جب تک بچوں کو ضرورت اور احتیاج ہوتی ہے۔

جب مرغی کے بچے بڑے ہو جاتے ہیں وہ ان کو پروں میں چھپانا چھوڑ دیتی ہے' اور جب بچے چل پھر کر اپنا پیٹ بھر لینے کے قابل ہو جاتے ہیں' مرغی کچھ بھی ان کی مدد نہیں کرتی بلکہ جب بہت بڑے ہو جاتے ہیں تو ان کو اس طرح مارنے لگتی ہے گویا وہ ان کی ماں نہیں ہے۔

آدمی کے ماں باپ کا بھی یہی حال ہے۔ جب تک بچہ بہت چھوٹا ہوتا ہے' ماں دودھ پلاتی ہے اور اس کو گود میں اٹھائے پھرتی ہے' اپنی نیند حرام کر کے بچے کو تھپک تھپک کر سلاتی ہے' جب بچہ اتنا سیانا ہوا کہ وہ کھچڑی کھانے لگا' ماں دودھ بالکل چھڑا دیتی ہے اور وہی دودھ جس کو برسوں پیار سے پلاتی رہی سختی اور بے رحمی سے نہیں پینے دیتی' کڑوی چیزیں لگالیتی ہے اور بچہ ضد کرتا ہے تو مارتی اور گھرکتی ہے۔ چند روز کے بعد بچوں کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ گود میں لینا تک ناگوار ہوتا ہے۔ کیا تم نے اپنے چھوٹے بہن بھائی کو اس بات پر مار کھاتے نہیں دیکھا کہ ماں کی گود سے نہیں اترتے ہیں' ماں خفا ہو رہی ہے کہ کیسا ناہموار بچہ ہے' ایک دم کو گود سے نہیں اترتا۔ ان باتوں سے یہ مت سمجھو کہ ماں کو محبت نہیں رہی' بلکہ ہر حالت کے ساتھ ایک خاص طرح کی محبت ہوتی ہے' اولاد کا حال یکساں نہیں رہتا' آج دودھ پیتے ہیں کل کھانے لگے' پھر پاؤں چلنا سیکھا' جتنا بڑا بچہ ہوتا گیا اسی قدر محبت کا رنگ بدلتا گیا' لڑکے اور لڑکیاں پڑھنے اور لکھنے کے واسطے کیسی کیسی ماریں کھاتے ہیں۔ اگرچہ بے وقوفی سے بچے نہ سمجھیں لیکن ماں باپ کے ہاتھوں سے جو تکلیف بھی تم کو پہنچے وہ ضرور تمہارے اپنے فائدے کے واسطے ہے۔ تم کو دنیا میں ماں باپ سے الگ رہ کر بہت دنوں تک جینا پڑے گا' کسی کے ماں باپ تمام عمر زندہ نہیں رہتے۔ خوش نصیب ہیں وہ لڑکے اور لڑکیاں جنھوں نے ماں باپ کے جیتے جی ایسا ہنر اور ایسا ادب سیکھا جس سے ان کی تمام زندگی خوشی اور آرام میں گزری۔ اور نہایت بدقسمت ہے وہ اولاد جنھوں نے ماں

باپ کی زندگی کی قدر نہ کی اور جو آرام ماں باپ کی بدولت ان کو میسر ہوا اس کو اکارت کیا اور ایسے اچھے فراغت اور بے فکری کے وقت کو سستی اور کھیل کود میں ضائع کیا اور عمر بھر رنج و مصیبت میں کاٹی۔ آپ عذاب میں رہے اور ماں باپ کو بھی اپنے سبب عذاب میں رکھا۔

مرنے پر کچھ موقوف نہیں، شادی بیاہ ہوئے پیچھے اولاد ماں باپ سے جیتے جی چھوٹ جاتی ہے۔ جب اولاد جوان ہوتی ہے ماں باپ بوڑھے ہو جاتے ہیں اور خود اولاد کے محتاج ہو جاتے ہیں، پس جوان ہوئے پیچھے اولاد کو ماں باپ سے مدد ملنی تو درکنار خود ماں باپ کی خدمت اور مدد کرنی پڑتی ہے۔ لڑکوں اور لڑکیوں کو ضرور سوچنا چاہیئے کہ ماں باپ سے الگ ہوئے پیچھے ان کی زندگی کیونکر گزرے گی

دنیا میں بہت بھاری بوجھ مردوں کے سر پر ہے، دنیا میں کھانا کپڑا اور روزمرہ کے خرچ کی سب چیزیں روپے سے حاصل ہوتی ہیں اور سب کھڑاگ روپے کا ہے۔ عورتوں کو بڑی خوشی کی بات ہے کہ اکثر کمانے اور روپیہ پیدا کرنے کی محنت سے محفوظ رہتی ہے۔ دیکھو مرد کیسی کیسی سخت محنت کرتے ہیں، کوئی بھاری بوجھ سر پر اٹھاتا ہے، کوئی لکڑی ڈھوتا ہے، سنار، لوہار، ٹھٹھیرا، کسیرا، کندلہ گر، زرکوب، ڈبکیا، تارکش، ملمع سازی، جڑیا، سلمہ ستارے والا، بٹیا، بدرساز، مینا ساز، قلعی گر، سادہ کار، صیقل گر، آئینہ ساز، زردوز، منہیار، نعل بند، نگینہ ساز، کامدانی والا، سان گر، نیاریا، ڈھلیا، بڑھئی، خرادی، ناریل والا، کنگھی ساز، بنس پھوڑ، کاغذی، جلاہا، رفوگر، رنگ ریز، چھیپی، دستار بند، درزی، علاقہ بند، نیچہ بند، موچی، مہرکن، سنگ تراش، حکاک، معمار، دب گر، کمہار، حلوائی، تیلی، تنبولی، رنگ ساز، گندھی وغیرہ جتنے پیشے والے ہیں سب کے کاموں کے برابر درجے کی تکلیف ہے اور یہ تمام تکلیف روپیہ کمانے کے واسطے مرد سہتے اور اٹھاتے ہیں، لیکن اس بات سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ عورتوں سے سوائے کھانے اور سو رہنے کے کوئی کام دنیا کے متعلق نہیں، بلکہ خانہ داری کے تمام کام عورتیں کرتی ہیں، مرد اپنی کمائی عورتوں کے آگے لا کر رکھ دیتے ہیں اور عورتیں اپنی عقل سے اس کو ایسے بندوبست اور سلیقے کے ساتھ اٹھاتی ہیں کہ آرام کے سوائے عزت اور نام پر حرف نہیں آنے پاتا۔

پس اگر غور سے دیکھو تو دنیا کی گاڑی کا جب تک ایک پہیہ مرد کا اور دوسرا پہیہ عورت کا نہ ہو چل نہیں سکتی، مردوں کو روپیہ کمانے سے اتنا وقت نہیں بچتا کہ اس کو گھر کے چھوٹے چھوٹے کاموں میں صرف کریں۔

بے شک عورت کو خدا نے مرد کی نسبت کسی قدر کمزور پیدا کیا ہے، لیکن ہاتھ، پاؤں، کان،

آنکھ ' عقل ' سمجھ ' یاد سب مرد کے برابر عورت کو دیئے ہیں ' لڑکے انہیں چیزوں سے کام لے کر عالم ' حافظ ' حکیم ' کاری گر ' دست کار ' ہر فن میں طاق اور ہر ہنر میں مشاق ہو جاتے ہیں۔ لڑکیاں اپنا وقت گڑیاں کھیلنے اور کہانیاں سننے میں کھوتی ہیں ' بے ہنر رہتی ہیں اور جن عورتوں نے وقت کی قدر پہچانی اور اس کو کام کی باتوں میں لگایا ' وہ مردوں کی طرح دنیا میں نامور اور مشہور ہوئی ہیں ' جیسے نورجہاں بیگم ' زیب النساء بیگم یا ان دنوں سکندر بیگم یا انگریزوں کی شاہزادی ملکہ وکٹوریہ ' یہ وہ عورتیں ہیں جنھوں نے ایک چھوٹے سے گھر اور کنبے کا نہیں بلکہ ملک اور جہان کا بندوبست کیا۔

بعض نادان عورتیں خیال کرتی ہیں کہ بہت پڑھ کر کیا مردوں کی طرح مولوی ہونا ہے؟ پھر محنت کرنے سے کیا فائدہ؟ لیکن اگر کوئی عورت زیادہ پڑھ گئی ہے تو بے شک اس نے زیادہ فائدہ بھی حاصل کیا ہے ' ہم اس بات سے انکار نہیں کرتے کہ زیادہ علم پڑھنا عورتوں کو ضروری نہیں ہے لیکن جس قدر ضرور ہے اس کو کتنی عورتیں حاصل کرتی ہیں ' کم سے کم اردو پڑھ لینا نہایت ضروری ہے اگر اتنا نہیں ہے تو بے شک حرج ہوتا ہے یا اپنے گھر کی غیروں پر ظاہر کرنا پڑتی ہے یا اس کو چھپانے سے نقصان ہوتا ہے۔ عورتوں کی باتیں اکثر حیا اور پردے کی ہوتی ہیں۔ لیکن اپنی ماں بہن سے بھی ان کو ظاہر کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور اتفاق سے ماں بہن وقت پر پاس نہیں ہوتیں ' ایسی صورت میں یا تو حیا کو بالائے طاق رکھنا پڑتا ہے یا نہ کہنے کے سبب نقصان اٹھانا ہوتا ہے۔

لکھنا بہ نسبت پڑھنے کے کسی قدر مشکل ہے ' لیکن اگر کوئی آدمی کسی کتاب سے چار سطر روز نقل کیا کرے اور اسی قدر اپنے دل سے بنا کر لکھا کرے اور اصلاح لیا کرے تو ضرور تھوڑے مہینوں میں وہ لکھنا سیکھ جائے گا۔ خوش خطی سے مطلب نہیں ' لکھنا ایک ہنر ہے جو ضرورت کے وقت بہت کام آتا ہے ' اگر غلط ہو یا حرف ' بدصورت اور نادرست لکھے جائیں تو بے دل ہو کر مشق کو موقوف مت کرو۔ کوئی کام ہو ' ابتداء میں اچھا نہیں ہوا کرتا۔ اگر کسی بڑے عالم کو ایک ٹوپی کترنے اور سینے کو دو جس کو کبھی ایسا اتفاق نہ ہوا ہو ضرور وہ ٹوپی کو خراب کرے گا۔

چلنا پھرنا ' جو تم کو اب ایسا آسان ہے کہ بے تکلف دوڑتی پھرتی ہو تم کو شاید یاد نہ رہا ہو کہ تم نے کس مشکل سے سیکھا ' مگر تمہارے ماں باپ اور بزرگوں کو بخوبی یاد ہے کہ پہلے تو کو بے سہارا بیٹھنا نہیں آتا تھا ' جب تم کو گود سے اتار کر نیچے بٹھاتے تھے ' ایک آدمی پکڑے رہتا تھا یا تکیے کا سہارا لگا دیتے تھے۔ پھر تم نے گر پڑ کر چلنا سیکھا ' پھر کھڑا ہونا لیکن چارپائی کو پکڑ کر۔ جب

تمہارے پاؤں زیادہ مضبوط ہو گئے رفتہ رفتہ چلنا آ گیا' مگر صدہا مرتبہ تمہارے چوٹ لگی اور ہر روز تم کو گرتے سنا۔ اب وہی تم ہو کہ خدا کے فضل سے ماشاء اللہ دوڑی دوڑی پھرتی ہو۔ اسی طرح ایک دن لکھنا بھی آجائے گا اور فرض کرو تم کو لڑکوں کی طرح اچھا لکھنا نہ بھی آیا تاہم بقدر ضرورت تو ضرور آجائے گا اور یہ مشکل تو نہ رہے گی کہ دھوبن کے کپڑوں اور پینے والی کی پائیوں کے واسطے دیوار پر لکیریں کھینچتی پھرو یا کنکر پتھر جوڑ کر رکھو۔

گھر کا حساب کتاب لینا دینا زبانی یاد رکھنا بہت مشکل ہے اور بعض مردوں کی عادت ہوتی ہے کہ جو روپیہ پیسہ گھر میں دیا کرتے ہیں اس کا حساب پوچھا کرتے ہیں' اگر زبانی یاد نہیں ہے تو مرد کو شبہ ہوتا ہے کہ یہ روپیہ کہاں خرچ ہوا اور آپس میں ناحق کا رنج و فساد پیدا ہوتا ہے۔ اگر عورت اتنا لکھنا بھی سیکھ لیا کریں کہ اپنے سمجھنے کے واسطے کافی ہو تو کیسی اچھی بات ہے۔

لکھنے پڑھنے کے علاوہ سینا پرونا' کھانا پکانا' یہ دو ہنر ہر ایک لڑکی کو سیکھنے ضرور ہیں' کسی آدمی کو یہ حال معلوم نہیں ہے کہ آئندہ اس کو کیا اتفاق پیش آئے گا' بڑے امیر اور بڑے دولت مند یکایک غریب اور محتاج ہو جاتے ہیں' اگر کوئی ہنر ہاتھ میں پڑا ہوتا ہے' ضرورت کے وقت کام آتا ہے' یہ ایک مشہور بات ہے کہ اگلے وقتوں کے بادشاہ باوجود دولت اور ثروت کے ضرور کوئی کام سیکھ رکھا کرتے تھے کہ تاکہ مصیبت کے وقت کام آئے۔

یاد رکھو کہ دنیا کی کوئی حالت قابل اعتبار نہیں' اگر تم کو اس وقت آرام و فراغت میسر ہے' خدا کا شکر کرو کہ اس نے اپنی مہربانی سے ہمارے گھر میں برکت اور فراغت دی ہے' لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ تم اس آرام کی قدر نہ کرو یا آئندہ کے واسطے اپنا اطمینان کر لو کہ یہی آرام ہم کو ہمیشہ کے واسطے حاصل رہے گا۔ آرام کے دنوں میں عادتوں کا درست رکھنا ضروری ہے اگرچہ خدا نے تم کو نوکر چاکر بھی دیے ہوں لیکن تم کو اپنی عادت نہیں بگاڑنی چاہیے' شاید خدانخواستہ یہ مقدور باقی نہ رہے تو یہ عادت بہت تکلیف دے گی۔

آپ اٹھ کر پانی نہ پینا یا چھوٹے چھوٹے کاموں میں نوکروں کو یا چھوٹے بھائی بہنوں کو تکلیف دینا اور آپ احدی بن کر بیٹھے رہنا نامناسب بات ہے۔ اور عادت کے بگاڑ کی نشانی ہے۔ تم کو اپنا سب کام آپ کرنا چاہیے بلکہ اگر تم چست و چالاک رہو تو گھر کے بہت کام تم اٹھا سکتی ہو اور اگر تم تھوڑی سی محنت بھی اختیار کرو تو اپنی ماں کو بہت کچھ مدد اور سہارا لگا سکتی ہو' خوب غور کر کے اپنا کام کوئی ایسا مت چھوڑو جس کو ماں اپنے ہاتھوں سے کرے یا دوسروں کو اس کے واسطے بلاتی اور تکلیف دیتی پھرے۔

اے میری پیاری لڑکیو! رات کو جب سونے لگو تو اپنا بچھونا اپنے ہاتھوں سے بچھا لیا کرو اور صبح سویرے اٹھ کر آپ طے کر کے احتیاط سے مناسب جگہ رکھ دیا کرو' اپنے کپڑوں کی گٹھری اپنے اہتمام میں رکھو' جب کپڑے بدلنے منظور ہوں اپنے ہاتھ سے پہنا اودھڑا درست کر لیا کرو' میلے کپڑوں کی احتیاط کرو۔ جب تک دھوبن کپڑے لینے آئے علیحدہ کھونٹی پر لٹکا رکھو۔ اگر کپڑے بدل کر میلے کپڑے اٹھا نہ رکھو گی شاید چوہے کاٹ ڈالیں یا پڑے پڑے زیادہ میلے ہوں اور دھوبن ان کو صاف نہ کر سکے یا شاید زمین کی نمی اور پسینے کی تری سے ان پر دیمک لگ جائے' پھر دھوبن کو اپنے میلے کپڑے آپ دیکھ کر دیا کرو اور جب دھو کر لائے خود دیکھ لیا کرو' شاید کوئی کپڑا کم نہ کر لائی ہو یا کہیں سے پھار نہ دیا ہو یا کہیں کوئی داغ باقی نہ رہ گئے ہوں' اس طرح جب تک اپنے کپڑوں کی خبر رکھو گی تمہارے کپڑے خوب صاف دھلا کریں گے اور کوئی کپڑا گم نہ ہو گا۔

جو زیور تم پہنے رہتی ہو' بڑے داموں کی چیز ہے' چار گھڑی دن رہے اور جب سو کر اٹھو خیال کر لیا کرو کہ سب ہے یا نہیں' اکثر بے خبر لڑکیاں کھیل کود میں زیور گرا دیتی ہیں اور کئی کئی دن بعد ان کو معلوم ہوتا ہے کہ بالی گر گئی ہے' چھلا نکل پڑا۔ جب کہ گھر میں کئی مرتبہ جھاڑو دی گئی' کیا معلوم ذرا سی چیز کہاں گئی یا کس جگہ مٹی میں دب گئی' تب وہ غافل لڑکیاں زیور کے واسطے افسوس کر کے روتی ہیں اور تمام گھر کو جستجو میں حیران کر ڈالتی ہیں اور جب ماں باپ کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑکی زیور کو احتیاط سے نہیں رکھتی اور کھو دیتی ہے تو وہ بھی دریغ کرنے لگتے ہیں۔

تم کو ہمیشہ خیال کرنا چاہیئے کہ گھر کے کاموں میں کون سا کام تمہارے کرنا کا ہے' بے شک چھوٹے بہن بھائی اگر روتے اور ضد کرتے ہیں' تم ان کو سنبھال سکتی ہو تاکہ ماں کو تکلیف نہ دیں' منہ دھلانا' ان کے کھانے اور پہننے کی خبر رکھنا کپڑے پہنانا یہ سب کام اگر تم چاہو تو کر سکتی ہو' لیکن اگر تم اپنے بھائیوں بہنوں سے لڑو اور ضد کرو تو تم خود اپنا وقار کھوتی ہو اور ماں کو تکلیف دیتی ہو۔ وہ گھر کا کام دیکھے یا تمہارے مقدمے فیصلے کیا کرے' گھر میں جو کھانا پکتا ہے اس کو اس غرض سے نہیں دیکھنا چاہیئے کہ کب پکے چکے گا اور کب ملے گا' گھر میں جو کتا اور بلی یا دوسرے جانور پلے ہیں' وہ اگر پیٹ بھرنے کی امید سے کھانے کے منتظر ہیں تو مضائقہ نہیں لیکن تم کو ہر بات میں غور کرنا چاہیئے کہ سالن کس طرح بھونا جاتا ہے' نمک کس انداز سے ڈالتے ہیں' اگر ہر ایک کھانے کو غور سے دیکھا کرو تو یقین ہے کہ چند روز میں تم پکانا سیکھ جاؤ گی۔ اگر لڑکیاں کھانا پکانا نہیں جانتی ہیں تو ماں باپ کو ناحق لوگوں سے برا کہلواتی ہیں۔ معمولی کھانوں کے علاوہ

تکلف کے چند کھانوں کی ترکیب بھی سیکھ لینی چاہیئے' آئے گئے کی دعوت میں ہمیشہ طرح طرح کے پرتکلف کھانوں کی ضرورت ہوا کرتی ہے' کباب' پلاؤ' میٹھے چاول' زردہ' تنجن' چٹنی' مربا' فیرنی سب مزے دار کھانے ہیں' ہر ایک کی ترکیب یاد رکھنی چاہیئے۔ بعض اوقات کھانے تکلف کے تو نہیں ہوتے لیکن ان کا مزے دار پکانا تعریف کی بات ہے۔ جیسے مچھلی' کریلے۔

سینا تو چنداں دشوار نہیں' قطع کرنا البتہ عقل کی بات ہے۔ دل لگا کر اس کو معلوم کر لینا بہت ضرور ہے۔ عورتوں کے سب کپڑوں کا قطع کرنا خاص کر ضرور سمجھ لینا چاہیئے' ہم نے اکثر بے وقوف عورتوں کو دیکھا ہے کہ اپنے کپڑے دوسری عورتوں کے پاس قطع کرانے کے واسطے لیے لیے پھرا کرتی ہیں اور ان کو تھوڑی سی بات کے لیے بہت سی خوشامد کرنا پڑتی ہے۔ مردانہ کپڑوں میں انگرکھا کسی قدر مشکل ہے' تم اپنے بھائیوں کے انگرکھے قطع کیا کرو' دو چار انگرکھے قطع کرنے سے سمجھ میں آجائے گا۔

لڑکیاں شرم کے مارے منہ سے نہ کہیں لیکن دل میں تو ضروری جانتی ہیں کہ کنوار پنے کے تھوڑے دن اور ہیں' آخر بیاہی جائیں گی' بیاہے پیچھے بالکل نئی طرح کی زندگی بسر کرنا پڑتی ہے۔ جیساکہ تم ماں اور نانی اور خالہ اور کنبے کی تمام عورتوں کو دیکھتی ہو' کنوار پنے کا وقت تو بہت تھوڑا وقت ہے' اس وقت کا اکثر حصہ تو بے تمیزی میں گزر جاتا ہے' وہ پہاڑ زندگی تو آگے آرہی ہے' جو طرح طرح کے جھگڑوں اور انواع و اقسام کے بکھیڑوں سے بھری ہوئی ہے' اب تم غور کرو کہ تم کوئی انوکھی لڑکی تو ہو نہیں کہ بیاہے پیچھے تم کو اور کچھ بھاگ لگ جائیں گے جو دنیا جہاں کی بیٹیوں کو پیش آتی ہے وہ تم کو بھی پیش آئے گی۔

پس سوچنا چاہیئے کہ عورتیں کس طرح زندگی بسر کرتی ہیں' بیاہے پیچھے کیسی ان کی عزت ہوتی ہے' مرد کیا ان کی توقیر اور کس طرح ان کی خاطرداری کرتے ہیں' خاص لوگوں کی حالت پر تو نظر مت کرو' بعض جگہ اتفاق سے زیادہ ملاپ ہوا' عورت مرد پر غالب آگئی اور جہاں زیادہ ناموافقت ہوئی عورت کا وقار بالکل اٹھ گیا' یہ تو بات ہی الگ ہے' ملک کے دستور اور عام رواج کو دیکھو' سو عام دستور کے موافق ہم تو عورتوں کی کچھ قدر کرتے نہیں دیکھتے ناقصات العقل تو ان کا خطاب ہے' تریاہٹ' تریا چرتر' مردوں کے زباں زد' عورتوں کے مکر کی مذمت قرآن میں موجود ہے۔ **ان کیدکن عظیم**" مرد لوگ عورتوں کی ذات کو بے وفا جانتے ہیں۔

اسپ[1] زن و شمشیر وفادار کہ دید

---

[1] گھوڑے' عورت اور تلوار کو کس نے وفادار پایا ہے۔

شیخ سعدی نے گلستان میں عورتوں کی وجہ تسمیہ میں بھی ان کی مذمت پیدا کی ہے بیت۔

اگر نیک بودے سر انجام زن
زنان رازن نام بودے نہ زن

یہ سب باتیں تو کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں' خانہ داری کے برتاؤ میں دیکھو تو گھر کی ٹہل خدمت کے علاوہ دنیا کا کوئی عمدہ کام بھی عورتوں سے لیا جاتا ہے کسی عمدہ کام کے صلاح و مشورے میں عورتیں شریک ہوتی ہیں' جن گھروں میں عورتوں کی بڑی خاطرداری اور عزت ہے وہاں بھی جب عورتوں سے پوچھا جاتا ہے تو یہی' کیوں بی! آج کیا ترکاری پکے گی؟ لڑکی کے واسطے ناٹ بانی جوتی منگواؤ گی یا ڈیڑھ حاشے کی؟ چھالیہ مانک چندی لوگی یا جہازی؟ زردہ پوربی لینا منظور ہے یا امانت خانی' رضائی کو اودی گوٹ لگے گی یا سرمئی؟ اس کے سوائے کوئی عورت بتا دے کہ مردوں نے اس سے بڑی بڑی باتوں میں صلاح لی ہے یا کوئی بڑا کام اس کے اختیار میں چھوڑ دیا ہے؟

پس اے عورتو! کیا تم کو ایسے برے حالوں جینا کبھی ناخوش نہیں آتا؟ اپنی بے اعتباری اور بے وقری پر کبھی افسوس نہیں ہوتا کیا تمہارا جی نہیں چاہتا کہ مردوں کی نظروں میں تمہاری عزت ہو؟ تم نے اپنے ہاتھوں اپنا وقار کھو رکھا ہے' اپنے کارن نظروں سے گری ہوئی ہو' تم کو قابلیت ہو تو مردوں کو کب تک خیال نہ ہو گا۔ تم کو لیاقت ہو تو مردوں کو کب تک پاس نہ ہو گا۔ مشکل تو یہ ہے کہ تم صرف اسی روٹی دال پکا لینے اور پھٹا پرانا سی لینے کو لیاقت سمجھتی ہو' پھر جیسی لیاقت ہے ویسی ہی قدر' تمہاری اس بالفعل کی حالت پر ایک بدعقلی اور ایک مکروبے وفائی کیا اگر دنیا بھر کے الزام تم پر لگائے جائیں تو واجب اور دنیا بھر کی برائیاں تم پر نکالی جائیں تو بجا۔

اے عورتو! تم مردوں کے دل کا بہلاوا' ان کی زندگی کو سرمایہ عیش' ان کی آنکھوں کی باغ و بہار' ان کی خوشی کو زیادہ اور ان کے غم کو غلط کرنے والیاں ہو۔ اگر تم سے مردوں کو بڑے کاموں میں مدد ملے اور تم کو بے کاموں کے انتظام کا سلیقہ ہو تو مرد تو تمہارے پاؤں دھو دھو کر پیا کریں اور تم کو اپنا سرتاج بنا کر رکھیں۔ تم سے بہتر ان کا غمگسار تم سے بہتر ان کا صلاح کار' تم سے بہتر ان کا خیر خواہ' کون ہے؟ لیکن بڑے کاموں کا سلیقہ تم کو حاصل کیوں کر ہو' گھر کی چار دیواری میں تم قید ہو۔ کسی سے ملنے کی تم نہیں' کسی سے بات کرنے کی تم نہیں' عقل ہو یا سلیقہ آدمی سے آدمی سیکھتا ہے' مرد لوگ پڑھ لکھ کر عقل و سلیقہ پیدا کرتے ہیں' اور جو پڑھے لکھے نہیں وہ بھی ہزاروں طرح کے لوگوں سے ملتے' دس سے دس طرح کی باتیں سنتے' اس پردے سے تو تم کو نجات کی امید نہیں' ہمارے ملکی دستور اور رواج نے پردہ نشینی کو عورتوں پر فرض و واجب کر دیا

ہے اور اب اس رواج کی پابندی نہایت ضروری ہے۔ پس سوائے پڑھنے لکھنے کے اور کیا تدبیر ہے کہ تمہاری عقلوں کو ترقی ہو۔ بلکہ مردوں کی بہ نسبت عورتوں کو پڑھنے کی زیادہ ضرورت ہے۔

مرد تو باہر کے چلنے پھرنے والے ٹھہرے' لوگوں سے مل جل کر بھی تجربہ حاصل کریں گے۔ تم گھر میں بیٹھے بیٹھے کیا کرو گی؟ سینے کی بقچہ سے عقل کی پڑیا نکالو گی یا اناج کی کوٹھری سے تجربے کی جھولی بھر لاؤ گی' پڑھنا سیکھو کہ پردے میں بیٹھے ہوئے تمام دنیا کی سیر کر لو۔ علم حاصل کرو کہ اپنے گھر میں تم کو زمانہ بھر کی باتیں معلوم ہوا کریں

عورتوں کو اپنی اولاد کی تہذیب کے واسطے بھی لیاقت حاصل کرنے کی بہت ضرورت ہے' لڑکیاں تو بیاہ تک اور لڑکے بھی اکثر دس برس کی عمر تک گھروں میں تربیت پاتے ہیں اور ماؤں کی خو بو ان میں اثر کر جاتی ہے۔

پس اے عورتو! اولاد کی اگلی زندگی تمہارے اختیار میں ہے چاہو تو شروع سے ان کے دلوں میں وہ ارادے اور وہ اونچے خیال بھر دو کہ یہ بڑے ہو کر نام و نمود پیدا کریں اور تمام عمر آسائش میں بسر کر کے تمہارے شکر گزار رہیں۔ اور چاہو تو ان کی افتاد کو ایسا بگاڑ دو کہ جوں جوں بڑے ہوں خرابی کے لچھن سیکھتے جائیں اور انجام تک اس ابتدا کا تاسف کیا کریں' لڑکوں کو بولنا آیا اور تعلیم پانے کا مادہ حاصل ہوا' اگر ماؤں کو لیاقت ہو تو اسی وقت بچوں کو تعلیم کر چلیں' مکتب یا مدرسے بھیجنے کے انتظار میں لڑکوں کے کئی برس ضائع ہو جاتے ہیں۔ بہت چھوٹی عمر میں نہ تو خود لڑکوں کو مدرسے جانے کا شوق ہوتا ہے اور نہ ماؤں کی محبت اس بات کی مقتضی ہوتی ہے کہ ننھے ننھے بچے جو ابھی اپنی ضرورتوں کے ضبط پر قادر نہیں ہیں' استاد کی قید میں رکھے جائیں۔ لیکن مائیں اگر چاہیں' اسی وقت ان کو سب کچھ سکھا پڑھا دیں۔

لڑکے مدرسے میں بیٹھنے کے بعد بھی مدتوں تک بے دلی سے پڑھا کرتے ہیں اور بہت دنوں میں ان کی استعداد کو ترقی ہوتی ہے' اس تمام وقت میں ان کو ماؤں سے بہت مدد مل سکتی ہے' اول تو ماؤں کی سی شفقت اور دل سوزی کہاں دوسرے رات دن کا برابر رہنا' جب ذرا طبیعت متوجہ دیکھی جھٹ کوئی حرف پہنچوا دیا' کچھ گنتی ہی یاد کرا دی' کہیں پورب پچھم کا امتیاز بتا دیا۔

مائیں تو باتوں باتوں میں سکھا سکتی ہیں جو استاد برسوں کی تعلیم میں بھی نہیں سکھا سکتا' اور ماں کی تعلیم میں ایک یہ کتنا بڑا لطف ہے کہ لڑکوں کی طبیعت کو وحشت نہیں ہونے پاتی اور شوق کو ترقی ہوتی جاتی ہے۔

اولاد کی تہذیب تو تہذیب' ان کی پرورش کی تدبیر ان کی جان کی حفاظت ماؤں کے اختیار میں

ہے، اگر خدانخواستہ کہیں اس سلیقے میں کمی ہے تو اولاد کی جان پر گزند ہے۔ ایسا کون کمبخت ہو گا جس کو ماؤں کی محبت میں کلام ہو، لیکن وہی محبت اگر نادانی کے ساتھ برتی جائے تو ممکن ہے کہ بجائے نفع کے الٹا نقصان پہنچائے، ذرا انصاف کرو کیا ہزاروں جاہل اور کم عقل مائیں ایسی نہیں ہیں جو اولاد کے ہر ایک مرض کو نظر گزر اور پرچھاواں اور جھپیٹا اور آسیب سمجھ کر بجائے دوا کے جھاڑ پھونک اتارا کیا کرتی ہیں۔ اور نامناسب علاج کا اثر تمھیں سمجھ لو کیا ہوتا ہو گا؟

غرض یہ ہے کہ کل خانہ داری کی درستی عقل پر اور عقل کی درستی علم پر موقوف ہے۔ اب تم کو ایک لطیف قصہ سناتے ہیں جس سے تم کو معلوم ہو گا کہ بے ہنری سے کیا تکلیف پہنچتی ہے؟

آغاز قصہ

ایک بے وقوف لڑکی کا بیاہ ہو گیا تھا اس نے اپنی بے وقوفی سے سسرال میں برس دو برس بھی نباہ نہ کیا۔ بیاہ کے چوتھے یا پانچویں مہینے میاں پر تقاضا کرنا شروع کیا کہ ہمارا گزارا تمہاری ماں بہنوں میں نہیں ہوتا، ہم کو الگ مکان لے دو۔

میاں نے کہا۔ "تمہارے جتنے جھگڑے اپنی ماں بہنوں کے ساتھ میں سنتا رہا ہوں، ان سب میں تمہاری ہی خطا ہے محلے میں جو آدمی بازاری طور کے رہتے ہیں، تم نے انہیں کی لڑکیوں کو بہن بنا رکھا ہے، رات دن بھوندو بھٹیارے کی بیٹی چنیا اور بخشی قلعی گر کی بیٹی زلفن۔ کیمو ستے کی بیٹی رحمت۔ مولن کنجڑے کی بیٹی سلمتی تمہارا پاس گھسی رہا کرتی ہیں، اور تم کو اس بات کا کچھ خیال نہیں کہ یہ لوگ نہ ہماری برادری ہیں نہ بھائی بند نہ ان سے ہماری ملاقات نہ راہ و رسم، نہ محبت، تمام محلے میں چرچا ہو رہا ہے کہ کیسی بہو آئی ہے جب دیکھو ایسی ہی لڑکیاں اس کے پاس بیٹھی ملتی ہیں! آخر محلے میں قاضی امام علی، حکیم شفاء الدولہ، منشی ممتاز احمد، مولوی روح اللہ، میر حسن رضا یہ لوگ بھی تو رہتے ہیں اور ان کی بہو بیٹیاں ہمارے گھر میں آتی جاتی ہیں۔ تم کسی سے بات بھی نہیں کرتیں۔ اگر والدہ صاحبہ نے تم کو ذلیل اور بے عزت لوگوں کی لڑکیوں سے ملنے سے منع کیا تو کیا بے جا کیا"؟

اس بے وقوف بی بی نے جواب دیا کہ "محبت ملاپ دل کے ملنے پر موقوف ہے، ہماری ماں کے ہمسائے میں ایک باسو منہیار رہتا تھا، بنو اس کی بیٹی ہماری سہیلی تھی، جب ہم چھوٹے تھے تو اس کے ساتھ کھیلا کرتے تھے، دو گڑیوں کا بیاہ بھی ہم نے بنو کے ساتھ کیا تھا، بنو بیچاری بہت غریب تھی، ہم اپنی ماں سے چرا کر اس کو بہت سی چیزیں دیا کرتے تھے، اماں نے ہر چند منع کیا مگر ہم نے بنو کا ملنا نہ چھوڑا۔"

میاں نے کہا۔ "تم نے بہت جھک مارا۔"

یہ سن کر وہ احمق عورت میاں سے بولی۔ "دیکھو خدا کی قسم میں نے کہہ دیا ہے مجھ سے زبان سنبھال کر بولا کرو۔ نہیں تو پیٹ پیٹ کر اپنا خون کر ڈالوں گی"۔ یہ کہہ کر رونے لگی اور اپنے ماں باپ کو کوسنا شروع کیا۔

"الٰہی اس اماں باوا کا برا ہو کیسی کم بختی میں مجھ کو دھکیل دیا ہے' مجھ کو اکیلا پا کر سب نے ستانا شروع کیا ہے الٰہی میں مر جاؤں میرا جنازہ نکلے۔" اور غصے کے مارے پان کھانے کی پٹاری جو چارپائی پر رکھی تھی لات مار کر گرا دی' تمام کتھا' چونا توشک پر گرا' اودی وریس کا لحاف پائنتی تہ کیا ہوا رکھا تھا چونے کے لگتے ہی اس کا تمام رنگ کٹ گیا' پٹاری کے گرنے کا غل سن کر سامنے کے دالان سے ساس دوڑی آئیں۔ ماں کو آتے دیکھ بیٹا تو دوسرے دروازے سے چل دیا لیکن اپنے دل میں کہتا تھا "ناحق میں نے بھڑوں کے چھتے کو چھیڑا"۔ ساس نے آکر دیکھا تو چار پیسے کا کتھا جو کل چھان پکا کر کلھیا میں بھر دیا تھا سب گر پڑا ہے توشک کتھے میں لت پت ہے' لحاف چونے میں تر بتر' بہو زار قطار رو رہی ہے۔

آتے ہی ساس نے بہو کو گلے سے لگا لیا اور اپنے بیٹے کو ناحق بہت کچھ برا کہا۔ اتنی دل جوئی کا سہارا اونگھتے کو ٹھیلے کا بہانہ ہوا۔ ہرچند ساس نے منت کی اور سمجھایا اس مکار عورت پر مطلق اثر نہ ہوا۔ ہمسائے کی عورتیں رونے پیٹنے کی آواز سن کر جمع ہو گئیں۔ یہاں تک نوبت پہنچی کہ بخشو قلعی گر کی بیٹی زلفن سمدھیانے کو دوڑی گئی اور ایک ایک کی چار چار جا لگائیں' ان کی ماں بھی خدا کے فضل سے بڑی تیز تھیں' سنتے کے ساتھ ڈولی پر چڑھ آ پہنچیں' بہت کچھ لڑیں جھگڑیں' آخر بیٹی کو ساتھ لے گئیں' کئی مہینے تک دونوں طرف سے آمدو رفت سلام و پیام متروک رہا۔ تاکہ قصہ اچھی طرح سمجھ میں آئے۔ تم کو نام بھی ان لوگوں کے بتا دینے ضرور ہیں۔

اکبری خانم اس بے وقوف اور مکار عورت کا نام تھا' اور سسرال سے اس کو مزاج دار بہو کا خطاب ملا تھا۔ یہ اکبری بے وقوف' بے ہنر بدمزاج تھی۔ لیکن اس کی چھوٹی بہن اصغری خانم بہت عقل مند' فہمیدہ اور نیک مزاج تھی' چھوٹی سی عمر میں اس نے قرآن کا ترجمہ اور مسائل کی اردو کتابیں پڑھ لی تھیں۔ لکھنے میں بھی عاجز نہ تھی' گھر کا حال اپنے باپ کو ہفتے کے ہفتے لکھ بھیجا کرتی' ہر ایک طرح کا کپڑا سی سکتی تھی' اور انواع اور اقسام کے مزے دار کھانا پکانا جانتی تھی۔ تمام محلے میں اصغری خانم کی تعریف تھی۔ ماں کے گھر تمام بندوبست اصغری خانم کے ہاتھوں میں

رہتا تھا۔ جب کبھی باپ رخصت لے کر گھر آتا خانہ داری کے انتظام میں اصغری سے صلاح پوچھتا۔ روپیہ پیسہ کوٹھڑی اور صندوقوں کی کنجیاں سب کچھ اصغری کے اختیار میں رہا کرتا تھا' ماں باپ دونوں جان و دل سے اصغری کو چاہتے تھے۔ بلکہ محلے کے سب لوگ اصغری کو پیار کیا کرتے تھے۔ مگر اکبری خود بخود اپنی چھوٹی بہن سے ناراض رہا کرتی تھی۔ بلکہ اکیلا پا کر مار بھی لیا کرتی تھی۔ لیکن اصغری ہمیشہ آپا کا ادب کرتی اور کبھی ماں سے اس کی چغلی نہ کھاتی' دونوں بہنوں کی منگنی بھی اتفاق سے ایک ہی گھر میں ہوئی۔

محمد عاقل اور محمد کامل دو حقیقی بھائی تھے' اکبری کا بیاہ بڑے بھائی محمد عاقل سے ہوا تھا اور اصغری کی بات محمد کامل سے ٹھہر چکی تھی مگر بیاہ نہیں ہوا تھا' اکبری کی بدمزاجی کے سبب قریب تھا کہ اصغری کی منگنی چھوٹ جائے لیکن ان لڑکیوں کی خالہ محمد عاقل کے گھر کے پاس رہتی تھی' ہمیشہ اصلاح کیا کرتی تھی' اور اگرچہ اکبری لڑ کر چلی گئی تھی لیکن خالہ نے بہت کچھ لعنت ملامت کی اور پس و پیش سمجھایا۔ آخر کار کئی مہینے کے بعد رمضان کی تقریب سے بھانجی کو سسرال لوا لائی۔ چند روز تک محمد عاقل مزاج دار بہو سے ناخوش رہا' آخر کو خلیا ساس نے میاں بی بی کا ملاپ کرا دیا۔ لیکن جب مزاجوں میں ناموافقت ہوتی ہے تو ہر ایک بات میں بگاڑ کا سامان موجود ہوتا ہے۔

محمد عاقل نے ایک دن اپنی ماں سے کہا۔ کہ "آج میں نے ایک دوست کی دعوت کی ہے' افطاری اور کھانے کا زیادہ اہتمام ہونا چاہیئے۔" ماں نے جواب دیا۔ "خدا جانے کس مصیبت سے میں روٹی بھی پکا لیتی ہوں۔ تین دن سے افطار کے وقت مجھ کو لرزہ چڑھتا ہے' مجھ کو اپنی خبر نہیں رہتی خدا ہمسائی کا بھلا کرے کہ وہ مجھے اتنا بھی پکا دیتی ہے۔ تم نے دعوت سے پہلے گھر میں پوچھ تو لیا ہوتا۔" محمد عاقل نے تعجب کی راہ سے بی بی کی طرف اشارہ رک کے کہا "کہ یہ اتنے کام کی بھی نہیں ہیں" بہو کو اتنا ضبط کہاں تھا کہ وہ اتنی بات سن کر چپ رہے سنتے ہی بولی۔ "اسی بوڑھی اماں سے پوچھو کہ بیٹے کا بیاہ کیا ہے یا لونڈی مول لی ہے لو صاحب! روزے میں چولہا جھونکنا۔"

محمد عاقل نے سوچا اب اگر میں کچھ رد و کد کرتا ہوں' پہلے کی طرح رسوائی ہو گی اپنا سا منہ لے کر رہ گیا اور افطار کے واسطے کچھ بازار سے مول لے آیا۔ غرض وہ بات ٹل گئی۔

اب محمد عاقل کو دوسری آفت پیش آئی یعنی عید' بے چارے نے ایک ہفتے آگے سے مزاج دار بہو صاحب کے جوڑے کی تیاری شروع کی ہر روز طرح طرح کے کپڑے رنگ برنگ کی چوڑیاں ڈیڑھ حاشیے اور سلمے ستارے کی کامدار جوتیاں لاتا تھا' مزاج دار کی خاطر میں کچھ نہیں آتا

تھا، یہاں تک کہ عید کا ایک دن باقی رہ گیا۔ مجبور ہو کر اکبری خانم کی خالہ کے پاس گیا، انہوں نے آواز سن کر اندر بلا لیا، بلائیں لیں، پیار سے بٹھایا، پان بنا کر دیا اور پوچھا۔ "کہو اکبری تو اچھی ہے"؟

محمد عاقل نے کہا۔ "صاحب آپ کی بھانجی تو عجب مزاج کی عورت ہے میرا تو دم ناک میں آگیا ہے، جو ادا ہے سو نرالی ہے اور جو بات ہے سو ٹیڑھی ہے۔"

خلیا ساس نے کہا "اچھا تمہارے خالو ابا نماز پڑھنے مسجد میں گئے ہیں وہ آئیں تو ان سے پوچھ کر چلتی ہوں۔"

غرض خالہ اماں نے جا کر چوڑیاں پہنائیں، کپڑے قطع کئے جلدی کے واسطے سب مل کر سینے بیٹھے۔

خالہ نے کہا "بیٹی پاجامے میں کلیاں تم لگاؤ گوٹ تمہاری ساس کتریں، میں اتنے، تمہارے دوپٹے میں توئی ٹانکتی ہوں۔"

جب اکبری کلیاں لگا چکی تو اس نے اترا کر خالہ سے کہا۔ "لو بی! تم کو ابھی دو پلے باقی ہیں اور میں دونوں پائنچوں میں کلیاں لگا بھی چکی۔"

خالہ نے دیکھا تو سب کلیاں الٹی۔ اکبری کی ساس کے لحاظ سے منہ پر تو کچھ نہ کہا لیکن چپکے چپکے دو چار چٹکیاں ایسی لیں کہ اکبری کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اشارے سے کہا کہ "اے نامراد سوجھ! تو الٹی کلیاں لگا بیٹھی۔"

اکبری نے اپنا سیا ہوا سب ادھیڑا اور پھر کلیاں لگانی شروع کیں، جب لگا چکی، خالہ نے دیکھا تو سب میں جھول اب تو خالہ سے نہ رہا گیا، اور اکبری کی ساس سے آنکھ بچا کر ایک سوئی اکبری کے ہاتھ میں چبھو دی اور کلیاں پھر ادھیڑ کر آپ لگائیں۔

غرض خدا خدا کر کے مزاج دار بہو کا جوڑا سل کر تیار ہوا۔ رات زیادہ ہو گئی تھی اکبری کی خالہ اپنے گھر کو رخصت ہوئیں۔ یہ لوگ بھی سو سلا رہے۔

بچے عید کی خوشی میں سویرے سے جاگے، کسی نے رات کی مہندی کھولی، کسی نے کھلی اور بیسن کے لیے غل مچایا کسی نے اٹھتے کے ساتھ ہی عیدی مانگنی شروع کی، محمد عاقل بھی نماز صبح سے فارغ ہو کر حمام میں غسل کرنے چلا گیا۔ نہا دھو کر چار گھڑی دن چڑھے واپس آیا، لڑکوں کو دیکھا کہ کپڑے بدل بدلا عید گاہ کے واسطے تیار بیٹھے ہیں۔ لیکن مزاج دار بہو صاحب حسب عادت سو رہی ہیں۔

محمد عاقل نے اپنی چھوٹی بہن محمودہ سے کہا۔ محمودہ بی! جاؤ اپنی بھابی کو جگا دو۔"

پہلے تو محمودہ نے تامل کیا اس واسطے کہ یہ مزاج دار بہو سے بہت ڈرتی تھی۔ جب سے بیاہ ہوا مزاج دار بہو نے ایک دن اپنی چھوٹی نند سے محبت سے بات نہیں کی تھی' اور نہ کبھی اس کو اپنے پاس آنے اور بیٹھنے دیا تھا لیکن بھائی کے کہنے سے عید کی خوشی میں محمودہ دوڑی دوڑی چلی گئی اور کہا "بھابی اٹھو"

بھابی نے اٹھتے کے ساتھ محمودہ کے ایک طمانچہ صحیح کیا محمودہ رونے لگی۔

باہر سے بھائی آواز سن کر دوڑا اس کو روتا دیکھ گود میں اٹھا لیا اور پوچھا۔ "کیا ہوا"؟

محمودہ نے روتے روتے کہا "بھابی جان نے مارا"۔

مزاج دار نے کہا۔ "دیکھو چھوٹی' نامراد' آپ تو دوڑتے میں گری اور میرا نام لگاتی ہے۔"

محمد عاقل کو غصہ تو آیا لیکن مصلحت وقت سمجھ کر ضبط کیا محمودہ کو پیار چمکار کر چپ کیا اور بی بی سے کہا "خیر اٹھو نہاؤ' کپڑے بدلو' دن زیادہ چڑھ گیا' میں عید گاہ جاتا ہوں۔"

مزاج دار نے ناک بھوں سکیڑ کر کہا۔ "میں تو ایسے سویرے نہیں نہاتی' ٹھنڈ کا وقت ہے تم اپنے عید گاہ جاؤ میں نے کیا منع کیا ہے۔"

محمد عاقل کو ایسی روکھی بات سن کر بہت رنج ہوا اور مزاج دار سدا کی ایسی کمبخت تھی کہ ہمیشہ اپنے میاں کو ناخوش رکھتی تھی' اتنے میں محمد عاقل کو ماں نے پکارا کہ "بیٹا! جاؤ بازار سے دودھ لا دو تو خیر سے عید گاہ کو سدھارو۔"

محمد عاقل نے کہا بہت خوب' پیسے دیجئے میں دودھ لائے دیتا ہوں لیکن اگر میرے واپس آنے تک انہوں نے کپڑے نہ بدلے تو سب کپڑے چولہے میں رکھ دوں گا۔"

محمد عاقل تو دودھ لینے بازار گیا' ماں کو معلوم تھا کہ لڑکے کا مزاج بہت برہم ہے' اور طبیعت بھی اس کی اس طرح کی واقع ہوئی ہے کہ اول تو اس کو غصہ نہیں آتا۔ اور جو کبھی آجاتا ہے تو عقل اس کی ٹھکانے نہیں رہتی' ایسا نہ ہو سچ مچ نئے کپڑے جلا دے۔ جلدی سے بہو کے پاس گئیں اور کہا۔ "بیٹی! خدا کے لیے برس کے برس دن تو بدشگونی مت کرو' اٹھو نہاؤ' کپڑے بدلو۔"

مزاج دار نے کہا۔ "نہیں بی میں تو اس وقت نہیں نہاتی ٹھہر کر نہا لوں گی۔"

بارے ساس نے منت سماجت کر کے بہو کو نہلا دھلا کر کنگھی چوٹی کپڑے پہنا کر' محمد عاقل کے آنے سے پہلے دلہن بنا کر بٹھا دیا' محمد عاقل یہ دیکھ کر خوش ہوا' عید گاہ چلتے ہوئے محمودہ سے پوچھا۔ "کہو بی! تمہارے واسطے بازار سے کونسا کھلونا لائیں"؟

محمودہ نے کہا۔ "اچھی خوبصورت سی رحل لا دینا اس پر ہم اپنا سیپارہ رکھیں گے اور قلم دوات رکھنے کے لیے ایک ننھی سی صندوقچی۔"

مزاج دار خودبخود بولی "اور ہمارے لیے؟" محمد عاقل نے کہا "جو تم فرمائش کرو لیتا آؤں۔"

مزاج دار نے کہا۔ "بھٹے اور سنگھاڑے اور جھڑبیری کے بیر اور مٹر کی پھلیاں اور بہت ساری نارنگیاں' ایک ڈفلی ایک خنجری"

یہ سن کر محمد عاقل ہنسنے لگا اور کہا۔ "ڈفلی' خنجری کیا کرو گی"؟

مزاج دار احمق نے جواب دیا۔ "بجائیں گے اور کیا کریں گے"

محمد عاقل سمجھا کہ ابھی تک اس بیوقوف میں بے تمیز بچوں کی طرح کھانے اور کھیلنے کے پست خیالات موجود ہیں کپڑے بدلنے سے جو خوشی محمد عاقل کو ہوئی تھی۔ وہ سب خاک میں مل گئی اور اسی افسردہ دلی کی حالت میں عید گاہ چلا گیا۔

اس کا جانا اور مزاج دار نے ایک اور نئی بات کی' ساس سے کہا۔ "ہم کو ڈولی منگوا دو۔ ہم اپنی ماں کے گھر جائیں گے۔" ساس نے کہا۔ "بھلا جانے کا یہ کیا موقع ہے؟ چار مہینے بعد تو تم ماں کے گھر سے اب آٹھ دن ہوئے کہ آئی ہو۔ عین عید کے دن جانا بالکل نامناسب ہے۔"

مزاج دار نے کہا۔ "آج میرا جی بہت گھبراتا ہے دل الٹا چلا آتا ہے' مجھ کو اپنے میکے کی سہیلی' باسو منہیار کی بیٹی بنو بہت یاد آتی ہے" ساس نے کہا۔ "بیٹا نوج کسی کو کسی سے ایسا عشق ہو جیسا تم کو بنو کا ہے؟ اگر ایسا ہی دل چاہتا ہے تو اسی کو بلا بھیجو۔"

مزاج دار نے کہا "واہ بڑی بے چاری بلانے والیں' ایسا ہی بلانا تھا تو کل اسی کو بلوا کر چوڑیاں پہنوائی ہوتیں" ساس نے کہا۔ "بھلا بیٹی! مجھ کو کیا معلوم تھا کہ یکایک تم کو اس کی یاد گدگدائے گی۔"

مزاج دار نے کہا۔ "خیر بی خیر اس بحث سے کیا فائدہ؟ ڈولی منگوانی ہے تو منگوا دو' نہیں تو میں بوا سلمی کے ابا سے منگوا بھیجوں۔"

ساس نے کہا۔ "لڑکی کوئی تیری عقل ماری گئی ہے؟" میاں سے پوچھا نہیں کچھا نہیں آپ ہی آپ چلیں اور مجھ کو تو اپنا بڑھا چونڈا نہیں منڈوانا جو لڑکے کی بے اجازت ڈولی منگوا دوں۔"

مزاج دار بولی۔ "کیسے میاں اور کیسا پوچھنا۔ اب کوئی اپنے ماں باپ سے عید بقر عید کو بھی نہ ملا کرے"؟

اتنا کہہ کر مولن کنجڑے سے ڈولی منگوا یہ جا وہ جا۔

تھوڑی دیر بعد محمد عاقل عید گاہ سے لوٹا اور گھر میں گھستے ہی پکارا "لو بی! اپنی کھنجری اور ڈفلی لو بجاؤ۔" دیکھا تو سب چپ ہیں۔

ماں سے پوچھا "کیا ہوا' خیر تو ہے؟"

محمودہ نے کہا "بھابی جان چلی گئیں۔"

محمد عاقل نے حیران ہو کر پوچھا۔ "ایں کیوں کر گئیں؟ کہاں گئیں؟ کیوں جانے دیا؟"

ماں نے جواب دیا۔ "بیٹھے بٹھائے یکایک کہنے لگیں۔ میں تو اپنی ماں کے یہاں جاؤں گی میں نے ہر چند منع کیا۔ ایک نہ مانی' مولن سے ڈولی منگوا چلی گئی۔ میں روکتی کی روکتی رہ گئی۔"

محمد عاقل یہ سن کر غصے کے مارے تھرا اٹھا اور چاہا کہ سسرال جا کر ابھی اس نابکار عورت کو سزا دے۔ یہ سوچ کر باہر کو چلا' ماں سمجھ گئی' جاتے کو ماں نے پکارا' اس نے کچھ جواب نہ دیا۔

ماں نے کہا۔ "شاباش بیٹا شاباش! میں تم کو پکار رہی ہوں اور تم سنتے ہو اور جواب نہیں دیتے' تیرھویں صدی میں ماؤں کا یہی وقار رہ گیا ہے"؟

یہ سنتے ہی محمد عاقل الٹا پھرا۔

ماں نے کہا۔ "بیٹا تو یہ تو بتا کہ اس دھوپ میں کہاں جاتا ہے؟ ابھی عید گاہ سے آیا ہے' اب پھر باہر چلا' اماں صدقے گئی' جی ماندہ ہو جائے گا۔"

محمد عاقل نے کہا۔ "بی میں کہیں نہیں جاتا' مسجد میں حافظ جی سے ملنے جاتا ہوں۔"

ماں نے کہا۔ "اے لڑکے! ہوش میں آ میں نے دھوپ میں اپنا چونڈا سفید نہیں کیا' لو صاحب ہمیں سے باتیں بنانے چلا ہے' حافظ جی کے پاس جاتا ہے تو انگرکھا اور دوپٹہ اتار کر رکھ جا' شوق سے مسجد میں بیٹھ۔"

یہ سن کر محمد عاقل مسکرانے لگا۔ ماں نے ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا اور اس کے سر کی طرف دیکھ کر بولی کہ "عید گاہ کے آنے جانے میں تمہارے بال گرد آلود ہو گئے ہیں' ذرا تکیے پر سر رکھ کر لیٹ جاؤ تو میں صاف کر دوں۔"

محمد عاقل ماں کے کہنے سے ذرا لیٹ گیا۔ محمودہ بھائی کو لیٹا دیکھ کر پنکھا جھلنے لگی' کچھ تو عید گاہ کے آنے جانے کا تکان ادھر پنکھے کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا اور ماں نے دست شفقت سر پر پھیرا تو سب سے زیادہ اس کی راحت ہوئی۔ غرض محمد عاقل سو گیا' جاگا تو دن ڈھل گیا تھا اور وہ غصہ بھی دھیما ہو گیا تھا۔

ماں نے کہا۔ "لو ہاتھ منہ دھو وضو کر کے ظہر کی نماز پڑھو وقت بہت تنگ ہے' پھر آؤ تو تم

کو کام بتائیں۔"

نماز پڑھ پڑھا کر محمد عاقل آیا تو ماں نے کہا۔ "تو اب سسرال جاؤ اور تجھے میری قسم ہے جو تو وہاں کچھ لڑایا بولا۔"

محمد عاقل نے کہا۔ "تو مجھ کو مت بھیجو۔"

ماں نے کہا۔ "لڑکے خیر خیر منا! الٰہی کیسی بری زبان ہے' سسرال تو تیری اور بھیجوں کس کو؟ لو یہ ایک روپیہ' تو اپنی سالی اصغری کے ہاتھ میں عیدی کا دینا اور یہ ایک اٹھنی اپنی خلیا کے ساس کے بیٹے میں میاں مسلم کو اور آدھے کھلونے لیتے جاؤ' اور ایک خوان میں سویاں اور دودھ اور مٹھائی کی ٹوکری بھی ماما عظمت کے ہاں اپنے ساتھ لوا کے جاؤ۔ دیکھو خبردار کچھ بولنا چالنا مت۔"

محمد عاقل نے کہا۔ "اور اماں خنجری اور ڈفلی بھی لیتا جاؤں؟"

ماں نے کہا۔ "لے بس کہیں ایسی بات وہاں مت بول اٹھنا"؟

غرض محمد عاقل ساس کے گھر پہنچے' گھر میں اکبری خانم اپنی سہیلیوں کے ساتھ اودھم مچا رہی تھی اور باہر گلی میں تمام غل کی آواز آتی تھی' ماما عظمت اندر آئی۔ اصغری نے ماما کو دور سے دیکھ کر دبی آواز سے کہا۔ "اے بی آپا! اے بی آپا! چپ کرو تمہاری سسرال سے ماما آئی ہے۔" عظمت نے اندر پہنچ کر محمد عاقل کو بلایا۔ "صاحبزادے آیئے"

غرض محمد عاقل اندر گئے' ساس کو سلام کیا۔

انہوں نے کہا۔ "جیتے رہو عمر دراز"۔

اتنے میں اصغری بھی اپنی اوڑھنی سنبھال کوٹھری سے نکلیں اور نہایت ادب سے جھک کر بہنوئی کو سلام کیا' اصغری کو بہنوئی نے گود میں بٹھا لیا اور روپیہ دیا' اصغری اپنی ماں کی طرف دیکھنے لگی۔

ماں نے کہا۔ "لے لو بہنوئی عیدی دیتا ہے۔"

اصغری نے روپیہ لے کر پھر سلام کیا اور گود سے اتر کر ادب سے الگ ہو بیٹھی' پھر اٹھ کر نہایت سلیقے کے ساتھ اجلا دستر خوان بہنوئی کے آگے لا بچھایا اور ایک رکابی میں سویاں' ایک پیالے میں دودھ ایک چمچہ لا کر سامنے رکھ دیا۔

ساس نے کہا۔ "بیٹا کھاؤ۔"

محمد عاقل نے عذر کیا کہ۔ "مجھ کو عید گاہ میں زیادہ دیر ہو گئی تھی۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی میں نے کھانا کھایا ہے۔"

ساس نے کہا۔ "کیا مضائقہ ہے سویا تو پانی ہوتی ہیں کھاؤ بھی۔" جب تک محمد عاقل سویاں کھاتا رہا' اصغری الائچی ڈال کر ایک مزے دار پان بنا لائی۔ کھانے کے بعد ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔

تھوڑی دیر بعد محمد عاقل نے کہا۔ "جناب میں رخصت ہوتا ہوں۔" ساس نے کہا۔ "اب کہاں جاؤ گے یہیں سو رہنا۔"

محمد عاقل نے کہا۔ "آج عید کا دن ہے آئے گئے سے ملنا ہے' دوسرے کہیں کچھ بھیجنا بجوانا ہے۔ اور میں اماں سے رات کے واسطے کہہ کر بھی نہیں آیا"

ساس نے کہا۔ "ملنے ملانے کا تو اب وقت نہیں رہا شام ہونے آئی اور بھیجنے بجوانے کو سمدھن کافی ہیں" اور ہنس کر یہ بھی کہا کہ "تم کچھ سمدھن کا دودھ نہیں پیتے" آخر عظمت جائے گی خبر کر دے گی۔"

غرض محمد عاقل نے بہت کچھ حیلے کیے' ساس نے ایک نہ مانی اور محمد عاقل کو زبردستی رہنا پڑا' چار گھڑی رات گئے جب کھانے پینے سے فراغت ہوئی' اصغری نے برتن بھانڈا گری پڑی چیز سب ٹھکانے سے رکھی' باہر کے دروازے کی زنجیر بند کی' کوٹھڑیوں کو قفل لگا کر کنجیاں ماں کے حوالے کیں' باہر کے دالان اور باورچی خانے کا چراغ گل کیا' ماں اور آپا اور بہنوئی سب کو پان بنا کر دیے اور فراغت سے جا کر سو رہی۔

اب ساس نے محمد عاقل سے کہا۔ "کیوں بیٹا! تم میاں بی بی میں یہ کیا آئے دن لڑائی رہا کرتی ہے؟ اکبری کی ایسی بری عادت ہے کہ کبھی بھول کر بھی سسرال کی بات مجھ سے نہیں کہتی' نہیں دنیا جہان کی بیٹیوں کا دستور ہوتا ہے کہ سسرال کی ذرا ذرا بات ماؤں سے کہا کرتی ہیں۔ نہیں معلوم اس کو کیا خدا کی سنوار ہے' بہتیرا پوچھ پوچھ کر اپنا منہ تھکاؤ' حاشا کہ یہ کچھ بھی بتائے لیکن ٹولے محلے کی بات کانوں تک پہنچ جاتی ہے اوپری لوگوں سے میں بھی گھر بیٹھی بیٹھی سنا کرتی ہوں۔"

محمد عاقل نے ساس سے یہ بات سن کر تھوڑی دیر تامل کیا اور لحاظ کے سبب جواب منہ سے نہیں نکلتا تھا۔ مگر اس نے خیال کیا کہ مدتوں کے بعد ایسا اتفاق ہوا ہے اور خود انہوں نے چھیڑ کر پوچھا ہے۔ ایسے موقع پر سکوت کرنا سراسر خلاف مصلحت ہے' بہتر ہے کہ عمر بھر کا زہر اگل ڈالیے۔ شاید آج کی گفتگو میں آئندہ کے واسطے کوئی بات نکل آئے۔

غرض محمد عاقل نے شرماتے شرماتے کہا۔ "کہ آپ کی صاحبزادی موجود ہیں۔ انہیں سے

پوچھئے ہمارے یہاں ان کو کیا تکلیف پہنچی' خاطرداری و مدارت میں کسی طرح کی کمی ہوئی یا کوئی ان سے لڑا یا کسی نے ان کو برا کہا؟ آپ کو معلوم ہے گھر میں ہم گنتی کے آدمی ہیں؟ والدہ صاحبہ سے تو تمام محلے والے واقف ہیں' ایسی صلح کل ہیں کہ تمام عمر ان کو کسی سے لڑنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اگر کوئی ان کو دس باتیں سخت سنا بھی جائے تو چپ ہو جاتی ہیں۔ محمد کامل دن بھر لکھنے پڑھنے میں لگا رہتا ہے' صبح کا نکل رات کو گھر آتا ہے' کھانا کھایا اور سو رہا' میں نے اس کو ان سے کبھی بات کرتے بھی نہیں دیکھا' محمودہ ان کی صورت سے بڑی ڈرتی ہے' میں موجود بیٹھا ہوں جو شکایت مجھ سے ہو بے تکلف بیان کریں۔"

محمد عاقل کی ساس اب بیٹی کی طرف مخاطب ہو کر بولیں۔ "ہاں بھائی! جو کچھ تمہارے دل میں ہو تم بھی صاف صاف کہہ گزرو' بات کا دل میں رہنا اچھا نہیں ہوتا دل میں رکھنے سے رنج بڑھتا ہے اور فساد زیادہ ہوتا ہے۔"

اکبری اگرچہ جھوٹ بولنے پر بہت دلیر تھی' لیکن اس وقت محمد عاقل کے روبرو کوئی بات کہنے نہ بن پڑی اور جی ہی جی میں ڈر رہی تھی کہ میں نے بہت سی جھوٹ باتیں ماں سے آکر لگائی ہیں' ایسا نہ ہو کہیں اس وقت قلعی کھل جائے' یہ سوچ سمجھ کر اس نے اس بات ہی کو ٹال دیا اور کہا تو یہ کہا۔ "ہم تو الگ گھر کریں گے۔"

اکبری کی ماں نے داماد سے کہا۔ "کیوں بھائی! تم کو الگ ہو کر رہنے میں کیا عذر ہے؟ خدا کا فضل ہے خود نوکر ہو' خود کماتے ہو' کسی بات میں ماں باپ کے محتاج نہیں' اپنا کھانا اپنا پہننا' پھر دوسرے کا دست نگر ہو کر رہنا کیا فائدہ' بیٹا بہو کیسے ہی پیارے ہوں پھر بھی جو آرام الگ رہنے میں ہے' ماں باپ کے گھر کہاں' جو چاہو سو کھایا۔ اور چاہا سو پکایا اور ذرا غور کرنے کی بات ہے' ماں باپ کے ساتھ رہ کر لاکھ کماؤ پھر بھی نام نہیں' لوگ کیا جانیں تم اپنا کھاتے ہو یا ماں باپ کے سر پڑے ہو۔"

محمد عاقل نے کہا۔ "آرام کی جو پوچھیے تو ہم کو جواب حاصل ہے الگ ہوئے پیچھے اس کی قدر معلوم ہو گی' دونوں وقت پکی پکائی کھائی اور بے فکر ہو کر بیٹھ رہے' الگ ہونے پر آٹا' دال' گوشت اور ترکاری کنڈا لکڑی سب کی فکر کرنا پڑے گی اور آپ ہی انصاف فرمایئے کہ خانہ داری میں کتنے ہی بکھیڑے ہیں۔ بے سبب ان سب آفتوں کو اپنے سر لینا میرے نزدیک تو عقل کی بات نہیں۔ رہی یہ بات کہ جو چاہا سو کھایا اور چاہا سو پکایا' اب بھی حاصل ہے' انہیں سے پوچھئے کبھی کوئی فرمائش کی ہے جس کی تعمیل نہ ہوئی ہو' بڑے کنبوں میں البتہ اس طرح کی تکلیف ہوا کرتی

ہے ایک کا دل میٹھے چاولوں کو چاہتا ہے دوسرے کو بھنی مونگ کی کھچڑی چاہیے۔ تیسرے کو پلاؤ درکار ہے۔ چوتھے کو قورمہ کھانا منظور ہے' پانچویں کو پرہیزی کھانا حکیم نے بتایا ہے۔ دس کے واسطے دس ہانڈیاں روز کے روز کہاں سے آئیں' ہمارے ہاں کنبہ کون بہت بڑا ہے' فرمائش کریں تو ہم اور نہ کریں تو ہم' اس کو بھی جانے دیجئے' اگر ان کو ایسا ہی لحاظ ہے' آپ کھانے کا اہتمام کیا کریں' خود والدہ کئی مرتبہ کہہ چکی ہیں' انہیں سے پوچھئے کہا ہے یا نہیں؟ اور نام کو جو آپ نے فرمایا یہ بھی میرے نزدیک عقل کی بات نہیں۔ اپنے آرام سے کام ہے' لوگ اپنے دلوں میں جو چاہیں سمجھیں اور فرض کیجئے لوگوں نے یہی جانا کہ ہم ماں باپ کے سر پڑے ہیں تو اس میں ہماری کیا بے عزتی ہے؟ ماں باپ ہیں کوئی غیر تو نہیں ہیں' ماں باپ نے ہم کو پالا' پرورش کیا' کھلایا پہنایا' پڑھایا لکھایا' شادی بیاہ کیا' ان سب باتوں میں بے عزتی نہیں ہوئی تو اب کون سا سرخاب کا پر ہم میں لگ گیا ہے کہ ان کا دست نگر ہونا بے عزتی کا موجب سمجھا جائے؟

ساس نے جواب دیا۔ "اگر سب لوگ تمہاری طرح سمجھا کریں تو کیوں الگ ہوں' دنیا کا دستور ہے اور ہوتی چلی آئی ہے اور ہوتی چلی جائے گی۔ کہ بیٹا ماں باپوں سے جدا ہو جاتے ہیں' اور میں تو جانتی ہوں کہ دنیا میں کوئی بہو ایسی نہ ہو گی جس کا میاں کماؤ ہو اور وہ ساس نندوں میں رہنا پسند کرے۔"

محمد عاقل نے کہا۔ "یہ آپ کا فرمانا درست ہے' اگر بیٹے ماں سے جدا نہ ہوا کرتے تو شہر میں اتنے گھر کہاں سے آتے' لیکن ہر ایک کی حالت جدا ہے الگ ہو کر رہنا میری حالت کے لیے ہرگز مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ دس روپیہ کا تو میں نوکر' اتنی آمدنی میں الگ گھر کا سنبھالنا نہایت مشکل نظر آتا ہے اور پھر اس نوکری کا بھی اعتبار نہیں' خدانخواستہ الگ ہوئے پیچھے نوکری جاتی رہی تو پھر باپ کے گھر آنا مجھے نہایت شاق ہو گا۔ اس وقت البتہ بے عزتی ہو گی کہ میاں الگ تو ہو گئے تھے پھر جھک مار کر باپ کے ٹکڑوں پر آپڑے۔ لوگوں کی ریس اس معاملے میں ٹھیک نہیں' اپنے حال پر خود غور کرنا چاہیئے وہ نقل آپ نے سنی ہے کہ!

"ایک شخص نے بازار سے نمک اور روئی مول لی' نمک تو خچر پر لادا اور روئی گدھے پر' چلتے چلتے راہ میں ایک ندی واقع ہوئی' ندی پایاب تھی۔ اس شخص نے خچر اور گدھے کو لدھا لدھایا پانی میں اتار دیا' بیچ ندی میں پہنچ کر خچر نے غوطہ لگایا' تھوڑی دیر بعد سر ابھارا تو گدھے نے پوچھا "کیوں یار خچر! یہ تم نے کیا کیا؟"

خچر نے جواب دیا۔ "کہ بھائی تم بڑے خوش قسمت ہو کہ تم پر روئی لدی ہے اس کا بوجھ تو

بہت ہلکا ہوتا ہے' مجھ کمبخت پر نمک ہے' بوجھ کے مارے میری کمر ٹوٹ کر لہولہان ہو گئی' یہ ہمارا مالک ایسا بے رحم ہے کہ اس کو مطلق ہماری تکلیف کا خیال نہیں اناپ شناپ جتنا چاہتا ہے لاد دیتا ہے' میں نے سمجھا کہ منزل تک پہنچتے پہنچتے کمر ندارد ہے' آؤ غوطہ لگاؤ' نمک پانی میں بھیگ کر کچھ تو گھل جائے گا' جس قدر ہلکے ہوئے غنیمت ہے۔ مالک بہت کرے گا چھ سات ڈنڈے اور مارے گا' سویوں بھی راہ بھر ڈنڈے کھاتا آتا ہوں۔ دیکھو اب میرا بوجھ آدھا رہ گیا ہے۔"

گدھے بے وقوف نے خچر کے ریس کر کے غوطہ لگایا' روئی بھیگ کر اور وزنی ہو گئی' سر ابھارا تو ہلا نہ جاتا تھا۔

خچر ہنسا اور کہا۔ "کیوں بھائی گدھے کیا حال ہے؟"

گدھے نے کہا۔ "یار میں تو مرا جاتا ہوں۔"

خچر نے کہا۔ "اے بے وقوف تو نے میری ریس کی لیکن اتنا تو سمجھ لینا تھا کہ تیری پیٹھ پر روئی ہے نمک نہیں ہے؟"

اماں جان ایسا نہ ہو کہ دوسروں کی ریس کرنے سے میرا حال اس گدھے کا سا ہو۔"

ساس نے کہا۔ "بھائی تم تو کسی سے قائل ہونے والے نہیں ہو اور نہ میں تمہاری طرح منطق پڑھی ہوں' میں تو سیدھی بات سمجھتی ہوں کہ دس روپیہ مہینہ تم کماتے ہو' خدا کا فضل ہے سستا سماں ہے' بال نہیں بچے نہیں' اللہ رکھے دو میاں بیوی' خاصی طرح گوشت روٹی کھاؤ' نین سکھ' تن زیب پہنو' آئندہ کی فکر تمہاری طرح کیا کریں تو دنیا کا کارخانہ بند ہو جائے' نوکری تو نوکری زندگی کا اعتبار نہیں ہے۔ جے دن جینا ہے' ہنسی خوشی بسر کر دینا چاہئے۔"

محمد عاقل نے کہا۔ "یہی تو میں سوچتا ہوں کہ خوشی الگ ہو کر رہنے میں ہے یا ساتھ میں ہے؟"

ساس نے کہا۔ "دلیل اور حجت سے کیا مطلب' سیدھی بات یہی کیوں نہیں کہتے کہ مجھ کو ماں سے الگ ہونا منظور نہیں۔ ایک بات تم سے بی بی نے کہی اس کو قبول کرنے میں تم کو یہ بلا کا تامل ہے اور پھر کہتے ہو کہ ہم ان کی خاطرداری میں کمی نہیں کرتے' آرام و خوشی کیا چیز ہے؟ جس میں بی بی خوش ہو اور جس کو وہ آرام سمجھے۔"

اس کے بعد باتوں میں رنجش و تراوش کرنے لگی محمد عاقل نے سکوت اختیار کیا' رات بھی زیادہ ہو گئی تھی' محمد عاقل نے ساس سے کہا۔ "اب آپ آرام کیجئے' میں اس مضمون کو پھر سوچوں گا۔"

یہ لوگ تو سو رہے' محمد عاقل رات بھر اس خیال کی ادھیڑبن رہا اور دل ہی دل میں باتیں کرتا رہا' صبح کو اٹھا تو دیکھا اصغری جھاڑو دے رہی تھی۔ اس کو دیکھ کر اصغری نے سلام کیا اور کہا۔ "بھائی صاحب وضو کے واسطے گرم پانی موجود ہے۔"

محمد عاقل نے کہا۔ "نہیں بھائی مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں گے۔"

اصغری نے کہا۔ "بھائی صاحب چلے نہ جایئے گا' آپ کے واسطے چائے بنائی ہے لیکن سادی پیجئے گا یا دودھ کی" ؟

محمد عاقل نے کہا۔ "جیسی مل جائے۔"

اصغری بولی۔ "آپ کی آواز کچھ بھاری بھاری لگتی ہے۔ شاید نزلے کی تحریک ہے تو دودھ ضرر کرے گا۔"

محمد عاقل نے کہا۔ "نہیں نزلے کی تحریک تو نہیں ہے۔ رات کو اماں جان کے ساتھ بہت دیر تک باتیں کرتا رہا بدخوابی البتہ ہے۔"

محمد عاقل نماز پڑھ کر واپس آیا تو ساس کو دیکھا نماز سے فارغ ہو کر پان کھا رہی ہیں' سلام کر کے بیٹھ گیا' اصغری نے سینی لا کر سامنے رکھ دی' چائے دانی میں گرما گرم چائے' دو پیالیاں' دو چمچیاں اور ایک طشتری میں قند' محمد عاقل نے چائے پی' خوش ذائقہ خوش رنگ بو باس درست' پی کر جی باغ باغ ہو گیا' اکبری حسب عادت پڑی سوتی تھی۔

محمد عاقل نے کہا۔ "اماں جان ان کو بھی نماز کی تاکید کیجئے۔"

ساس نے کہا! "بیٹا یہ اپنی نانی کی بہت چہیتی ہیں' ان کی محبت نے ان کا مزاج' ان کی عادت سب خراب کر رکھی ہے' جب یہ چھوٹی تھی اور میں کسی بات پر گھرک بیٹھتی تھی تو کئی کئی دن تک مجھ سے بولنا چھوڑ دیتی تھی اور یہ تو کیا مجال تھی کہ اکبری کو ہاتھ لگا دے۔ اکبری بات بات پر ضد کرتی' چیزوں کو توڑتی پھوڑتی' انکے ڈر کے مارے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا' اسی بات پر اکبری کے باپ سے روز بگاڑ رہتا تھا۔"

اب محمد عاقل رخصت ہونے لگا چلتے چلتے ساس نے کہا "بیٹا رات کی بات یاد رکھنا اور ضرور اس کا کچھ بندوبست کرنا۔"

راہ میں محمد عاقل اسی کو سوچتا آیا' گھر میں پہنچا دیکھا تو ماں نے اس کے چہرے فکر معلوم ہوتا ہے' انہوں نے سمجھا آج ضرور سسرال میں لڑا' پوچھا محمد عاقل آخر میرے کہنے پر عمل نہ کیا۔"

محمد عاقل نے کہا۔ "اماں خدا کی قسم لڑائی بھڑائی کچھ بھی نہیں ہوئی۔"

ماں نے کہا۔ "پھر ست کیوں ہے"

محمد عاقل نے کہا۔ "کچھ بھی نہیں سوتا اٹھ کر آیا ہوں۔ اس سبب سے شاید آپ کو چہرہ اداس معلوم ہوتا ہوگا۔"

ماں نے کہا۔ "لڑکے ہوش میں آ' کیا تجھ کو سوتا اٹھ کر کبھی تھوڑی دیکھا ہے' سچ بتا کیا بات ہے"؟

محمد عاقل نے مجبور ہو کر رات کا تمام قصہ ماں کے روبرو بیان کیا' سنتے کے ساتھ ہی ماں کو کاٹو تو بدن میں لہو نہیں تھا' لیکن عورت بڑی دانش مند تھی' کہنے لگی۔ "کہ ہرچند میری تمنا یہ تھی کہ جب تک میرے دم میں دم ہے تم سب کو اپنے کلیجے سے لگائے رہوں اور تم دونوں بھائی اتفاق سے رہو' لیکن میں دیکھتی ہوں تو سامان الٹے ہی الٹے نظر آتے ہیں' لے آج میں تجھ سے کہتی ہوں کہ بیاہ کے دوسرے مہینے سے مزاج دار بہو کا ارادہ الگ گھر لینے کا ہے' تو جو دس روپے مہینے کے لا کر مجھ کو دیتا ہے' ان کو نہایت ناگوار ہوتا ہے آئے دن میں تمہاری بہو کی سہیلیوں سے سنتی رہتی ہوں کہ بھولی ماروں کے محلے میں مکان لیں گی' زلفن کو ساتھ لے جائیں گی۔ جب تک یہ سب لڑکیاں اکٹھی بیٹھی رہتی ہیں' یہی ذکر یہی مذکور آپس میں رہا کرتا ہے' میں نے تمہاری خلیا ساس کے منہ پر ایک مرتبہ یہ بات بھی کہہ دی تھی کہ مزاج دار بہو کو اگر ہمارے ساتھ رہنا ناگوار ہے تو اپنا کھانا کپڑا الگ کر لیں اور اسی گھر میں رہیں پھر تمہاری خلیا ساس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مزاج دار بہو کو یہ بھی منظور نہیں' آدمی بیاہ' خوشی اور آسائش کے واسطے کرتا ہے' روز کی لڑائی آئے دن کا جھگڑا نہایت بری بات ہے' اگر تمہاری بی بی کو یہی منظور ہے اور الگ رہنے سے ان کو خوشی ہے تو بسم اللہ ہم کو عذر نہیں' جہاں رہو خوش رہو' آباد رہو' خدا نے ایک ماما اولاد کی ہماری پیچھے لگا دی ہے سو کبھی تم ادھر کو آنکلے ایک نظر دیکھ لیا' صبر آگیا' گھر کے کام دھندے سے کبھی چھٹکارا ملا' میں آپ چلی گئی تم کو دیکھ آئی۔"

یہ کہنا تھا اور محمد عاقل کا جی بھر آیا اور بے اختیار رونا شروع کیا اور سمجھا کہ آج ماں سے جدائی ہوتی ہے' ماں بھی روئی تھوڑی دیر بعد محمد عاقل نے کہا۔ "میں تو الگ نہیں رہوں گا بی بی رہے یا نہ رہے۔"

ماں نے کہا۔ "ارے بیٹا! یہ بھی کہیں ہوئی ہے' اشرافوں میں کبھی بیبیاں بھی چھوٹتی ہیں؟ تم کو اپنی عمر انہیں کے ساتھ کاٹنی ہے' ہمارا کیا ہے قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھے ہیں۔ آج مرے کل دوسرا دن' میری صلاح مانو تو جو وہ کہیں سو کرو' ہم نے جس دن تمہارا بیاہ کیا اسی دن سے تم کو

الگ سمجھا۔ نہ تم انوکھے بیٹے ناں میں انوکھیت ماں' کون بیٹا اپنی ماں کے ساتھ رہا ہے"؟

محمد عاقل نے اپنے دوستوں سے بھی صلاح پوچھی' سب نے یہی کہا کہ "رفع فساد بہتر ہے اور ساتھ رہنے پر کیا منحصر ہے ماں سے الگ رہو اور ان کی خدمت اور اطاعت کرو۔"

جب سب لوگوں نے یہی صلاح دی' محمد عاقل نے بھی کہا کہ خیر الگ رہ کر بھی دیکھ لو' اگر یہ عورت سنبھل جائے اور گھر کو گھر سمجھے' بدمزاجی' نافرمانی' بدزبانی چھوڑ دے تو الگ رہنا عیب نہیں' گناہ نہیں' یہی نہ کہ خانہ داری کی فکر کرنی پڑے گی اور تنگی سے گزرے گی' سو دنیا میں رہ کر فکر سے کسی حال میں نجات نہیں' اب کچھ فکر نہیں' تو یہ ہر روز کا فساد بجائے خود ایک عذاب ہے اور تنگی رزق کا اندیشہ بھی بے جا ہے جتنا رزق مقدر ہے بے شک پہنچے گا' آدمی کی سعی و تدبیر کو اس میں کیا دخل؟ یہ سوچ کر محمد عاقل نے الگ ہو جانے کا مصمم ارادہ کر لیا۔

اتفاق سے اسی مکان کے متصل ایک مکان بھی خالی تھا' ایک روپیہ ماہوار اس کو کرایہ پر ٹھہرا لیا' بلکہ سر قفلی دے کر سر خط لکھ دیا' کنجی بھی لے لی اور سسرال کہلا بھیجا کہ مکان قرار پا گیا ہے۔ اب آؤ تو نئے مکان میں اٹھ چلیں' اور اپنی ماں سے بھی کہہ دیا کہ یہی تارکش والا مکان لے لیا ہے۔

ماں نے جتنا اسباب مزاج دار بہو کا تھا' کپڑوں کے صندوق' برتن' فرش' مسہری' پلنگ سب ایک علیحدہ کوٹھری میں رکھوایا' شام کو مزاج دار بہو بھی آ پہنچیں' صبح اٹھ ماں نے کوٹھری کھول کر محمد عاقل سے کہا۔ "لو بھائی اپنی چیزیں دونوں میاں بیوی خوب دیکھ بھال لو۔"

محمد عاقل نے کہا۔ "اماں تم کیا کہتی ہو؟ کیا کوئی غیر جگہ تھی؟"

ماں نے کہا۔ "بیٹا یہ بات نہیں' ایسا نہ ہو کہ اٹھانے بٹھانے میں کوئی چیز اودھر ادھر ہو جائے۔" اور ماما سے کہا کہ "عظمت تم اور ہمسائی یہ سب اسباب تارکش والے گھر میں پہنچا دو۔"

اکبری کی سہیلیاں چمپا' رحمت' زلفن' سلمتی آ پہنچیں' بات کی بات میں سب اسباب نئے گھر میں پہنچ گیا۔

مزاج دار بہو ہنسی خوشی نئے گھر میں آ کر بسیں' تین دن تک دونوں وقت تک محمد عاقل کی ماں نے کھانا بھیجا' چوتھے دن محمد عاقل نے بی بی سے کہا۔ "لو صاحب! اب کچھ کھانے کا بندوبست شروع ہو۔"

مزاج دار نے کہا۔ "سب اسباب ابھی بے ٹھکانے پڑا ہے' یہ رکھ جائے تو فراغت سے ہنڈیا چولہے کو دیکھوں ابھی تو مجھ کو فرصت نہیں۔"

غرض سات دن تک تنور پر روٹی پکتی رہی' رات کو کباب اور دن کو دہی بازار سے منگواتے اور دونوں میاں بیوی روٹی کھا لیتے۔ آخر محمد عاقل نے روز کہہ کہہ کر مزاج دار سے کھانا پکوایا' مزاج دار نے کبھی کھانا پکایا نہ تھا۔ روٹی پکائی تو عجیب صورت کی نہ گول نہ چوکھونٹی ایک کان ادھر نکلا ہوا اور چار کان ادھر کنارے موٹے بیچ میں ٹکیا' کہیں جلی' کہیں کچی' دھوئیں میں کالی اور دال جو پکائی تو پانی الگ' دال الگ' غرض مزاج دار ایسا لذیذ اور لطیف کھانا پکاتی تھی کہ جس کو دیکھ کر بھوک بھاگ جائے' سالن پکاتی' بد رنگ' بد مزہ' نمک ڈالا تو زہر اور کبھی پھیکا پانی۔ دو ایک دن تو محمد عاقل نے صبر کیا' آخر کار اس نے اپنی ماں کے گھر کھانا شروع کر دیا۔

مزاج دار نے بھی اپنے آرام کا ٹھکانہ کر لیا' دونوں وقت بازار سے کچوریاں اور بالائی' کندا کھویا' ربڑی' کباب منگوا کر کھا لیا کرتی۔ کھانا جو پکتا زلفن وغیرہ کھا کھا کر موٹی ہو گئی' ان بلیوں کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔

لیکن دس روپے مہینے میں چکھوتیاں کیوں کر ہو سکتی تھیں چپکے چپکے اسباب بکنے لگا' لیکن محمد عاقل کو اصلاً اس کی خبر نہ تھی۔

ایک روز محمد عاقل تو نوکری پر گیا تھا۔ مزاج دار دوپہر کو سو گئی تھی' چمپا جو آئی تو اس نے دیکھا' بہو بے خبر سو رہی ہیں' اس نے اپنے بھائی میرن کو خبر کر دی' وہ بڑا شاطر بدمعاش تھا' مزاج دار تو سوتی کی سوتی رہیں' میرن آکر دن دہاڑے تمام برتن چرا کر لے گیا۔

مزاج دار اٹھ کر جو دیکھیں تو گھر میں جھاڑو دی ہوئی ہے' کوٹھری کو قفل لگا ہوا تھا تو اس کا اسباب بچا' باقی جو چیز اوپر تھی ایک ایک کر کے لے گیا۔ اب پانی پینے تک کو کٹوار نہ رہا' محمد عاقل نوکری پر سے آیا تو سن کر بہت مغموم ہوا لیکن "اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت" بی بی سے خوب لڑا اور خوب اپنا سر پیٹا' آخر رو دھو کر بیٹھ رہا۔ قرض دام کر کے ہلکی ہلکی دو پتیلیاں لایا۔ چھوٹے چھوٹے برتن ماں سے مانگ لیے' لگن' توا' رکابی ساس نے بھیج دی' غرض کسی طرح کام چل نکلا۔

اتفاق سے ان دنوں ایک ایسی کٹنی شہر میں وارد ہوئی تھی اور تمام شہر میں اس کا غل تھا' محمد عاقل نے بھی بی بی سے کہہ دیا تھا کہ اجنبی عورت کو گھر میں مت آنے دینا' ان دنوں ایک کٹنی آئی ہوئی ہے کئی گھروں کو لوٹ چکی ہے لیکن مزاج دار شدت سے بے وقوف تھی' اس کی عادت تھی ہر ایک سے جلد مل جانا۔

ایک دن وہی کٹنی جن کا بھیس بنا کر اس گلی میں گھس آئی۔ یہ جن مکارہ بے وقوف عورتوں

کے پھسلانے کے واسطے طرح طرح کے تبرکات اور صدہا قسم کی چیزیں اپنے پاس رکھا کرتی تھی' تسبیح' خاک شفا' زمزمیاں' مدینہ منورہ کی کھجوریں' کوہ طور کا سرمہ' خانہ کعبہ کا غلاف کا ٹکڑا' عقیق البحر اور مونگے کے دانے' اور ناد علی ﷺ پنج سورے اور بہت سی دعائیں' گلی میں آکر جو اس نے اپنی دوکان کھولی' بہت سی لڑکیاں جمع ہو گئیں۔

مزاج دار نے بھی سنا زلفن سے کہا۔ "گلی سے جب اٹھنے لگے جمن کو یہاں لوا لانا ہم بھی تبرکات کی زیارت کریں گے۔" زلفن جا کھڑی ہوئی جمن کو بلوا لائی۔

مزاج دار نے بہت خاطر داری سے جمن کو پاس بٹھلایا اور سب چیزیں دیکھیں' سرمہ اور ناد علی ﷺ دو چیزیں مزاج دار نے پسند کیں' جمن نے مزاج دار کو باتوں میں تاڑ لیا کہ یہ عورت ڈھب پر جلد چڑھ جائے گی۔ ایک پیسہ کا بہت سا سرمہ تول دیا اور دو آنے کو ناد علی ﷺ اور فیروزے کی انگوٹھی مفت نذر کی' مزاج دار ریجھ گئیں' اس کے بعد جمن نے سمندر کا حال' غریب کی کیفیت اور دل سے جوڑ کر دو چار باتیں ایسی کیں کہ مزاج دار نے کمال شوق سے سنا اور اس کی طرف ایک خاص التفات کیا۔

جمن نے پوچھا۔ "کیوں بی؟ تمہارے کوئی بال بچہ نہیں؟"

مزاج دار نے آہ کھینچ کر کہا۔ "ہماری ایسی تقدیر کہاں تھی؟"

جمن نے پوچھا۔ "بیاہ کو کتنے دن ہوئے؟"

مزاج دار نے کہا۔ "ابھی برس روز نہیں ہوا۔"

مزاج دار کی بے عقلی کا اب تو جمن کو یقین ہوا۔ اور دل میں کہنے لگی' اس نے تو اولاد کی کا نام سن کر ایسی آہ کھینچی جیسے کوئی برسوں کا امیدوار ہو۔

جمن نے کہا۔ "ناامیدی کی بات نہیں تمہاری تو اتنے بچے ہوں گے کہ تم سنبھال نہ سکو گی' البتہ بالفعل اکیلے گھر میں جی گھبراتا ہو گا' میاں کا کیا حال ہے؟"

مزاج دار نے کہا۔ "ہمیشہ مجھ سے ناخوش رہا کرتے ہیں۔"

غرض پہلی ہی ملاقات میں مزاج دار نے جمن سے ایسی بے تکلفی کی کہ اپنا حال جزو کل اس سے کہہ دیا اور جمن نے باتوں ہی باتوں میں تمام بھید معلوم کر لیا۔ ایک پہر کامل جمن بیٹھی رہی' رخصت ہونے لگی تو مزاج دار نے بہت منت کی "اچھی بی جمن! اب کب آؤ گی؟"

جمن نے کہا۔ "میری بھانجی موم گروں کے چھتے میں رہتی ہے اور بہت بیمار ہے اسی کے علاج کے واسطے میں آگرے سے آئی ہوں' اس کے دوا معالجے سے فرصت کم ہوتی ہے مگر انشاء اللہ

دوسرے تیسرے دن تم کو دیکھ جایا کروں گی۔"

اگلے دن جمن پھر آموجود ہوئی اور ایک ریشمی ازار بند لیتی آئی۔

مزاج دار دور سے جمن کو آتا دیکھ کر خوش ہو گئی اور پوچھا "یہ ازار بند کیسا ہے"؟

جمن نے کہا۔ "بکاؤ ہے؟"

مزاج دار نے پوچھا۔ "کتنے کا ہے"

جمن نے کہا۔ "چار آنے کا' محلے میں ایک بیگم رہتی ہیں اب غریب ہو گئی ہیں' اسباب بیچ بیچ کر گزر کرتی ہیں' اکثر چیزیں میں ان کی بیچ لا دیا کرتی ہوں۔"

مزاج دار اتنا سستا ازار بند دیکھ کر لوٹ ہو گئی' فوراً پیسے نکال جمن کے ہاتھ دیے اور بہت گڑگڑا کر جمن سے کہا "اچھی بی! جو چیز بکاؤ ہوا کرے پہلے مجھے دکھایا کرو۔"

جمن نے کہا۔ "بہت اچھے پہلے تم اور پیچھے اور۔"

اس کے بعد ادھر ادھر کی باتیں ہوا کیں' چلتے ہوئے جمن نے ایک بٹوا نکالا۔ اس میں کپڑے اور کاغذ کی کئی تہوں میں تھوڑی لونگیں تھیں' ان میں سے دو لونگیں جمن نے مزاج دار کو دیں اور کہا۔ "کہ دنیا میں محبت اسی واسطے ہوا کرتی ہے کہ ایک دوسرے کو فائدہ ہو' یہ دو لونگیں میں تم کو دیتی ہوں' ایک تو تم اپنی چوٹی میں باندھ لو' دوسری بہتر تھا کہ تمہارے میاں کی پگڑی میں رہتی' پر تمہارے میاں شاید شبہ کریں' خیر تکیہ میں سی دو اور ان کا اثر آج ہی سے دیکھ لینا۔ لیکن اتنی احتیاط کرنا کہ پاک صاف جگہ میں رہیں اور اپنے قد کے برابر ایک کلاوہ مجھ کو ناپ دو میں تم کو ایک گنڈا بنوا لا دوں گی۔

میں جب حج کو گئی تھی تو اسی جہاز میں بھوپال کی ایک بیگم بھی سوار تھیں' شاید تم نے ان کا نام بھی سنا ہو بلقیس جہانی بیگم' سب کچھ خدا نے ان کو دے رکھا تھا' دولت کی کچھ انتہا نہ تھی۔ نوکر' چاکر' لونڈی غلام پالکی نالکی سب ہی کچھ تھا۔ ایک تو اولاد کی طرف سے مغموم رہا کرتی تھیں' کوئی بچہ نہ تھا۔ دوسرے نواب صاحب کو ان کی طرف التفات نہ تھا اور شاید اولاد نہ ہونے کے سبب محبت نہ کرتے ہوں' ورنہ بیگم شکل و صورت میں چندے آفتاب چندے مہتاب اور اس حسن و دولت پر مزاج ایسا سادہ کہ ہم ایسے ناچیزوں کو برابر بٹھانا اور بات پوچھنا۔

بیگم کو فقیروں سے پرلے درجے کا اعتقاد تھا' ایک دفعہ سنا کہ تین کوس پر کوئی کامل وارد ہے' اپنے گھر سے پیادہ ان کے پاس گئیں اور پہر بھر تک ہاتھ باندھے کھڑی رہیں' فقیروں کے نام قربان کے جایئے۔ ایک مرتبہ جو شاہ صاحب نے آنکھ اٹھا کر دیکھا۔ "جا مائی رات کو حکم ملے گا۔"

بیگم کو خواب میں بشارت ہوئی کہ حج کو جا اور مراد کا موتی سمندر سے نکال لا۔ حج کی تیاریاں ہونے لگیں، پانچ سو مسکین بیگم آپ نے کرایہ دے کر جہاز پر سوار کرائے، ان میں سے ایک میں بھی تھی، ہر وقت کا پاس رہتا بیگم صاحب (الٰہی دونوں جہان میں سرخرو) مجھ پر بہت مہربانی کرنے لگیں اور سہیلی کہا کرتی تھیں۔ دس دن تک برابر جہاز پانی میں چلا۔ گیارھویں دن بیچ سمندر کے ایک پہاڑ نظر آیا۔

ناخدا نے کہا۔ "کوہ حبشہ یہی ہے اور ایک بڑا کامل فقیر اس پر رہتا ہے جو گیا بامراد آیا۔"

بیگم صاحب نے ناخدا سے کہا۔ "کسی طرح مجھ کو اس پہاڑ پر پہنچاؤ۔"

ناخدا نے کہا۔ "حضور جہاز تو پہاڑ تک نہیں پہنچ سکتا البتہ آپ اگر ارشاد کریں تو جہاز کو لنگر کر دیں اور آپ کو ایک کشتی میں بٹھا کر لے چلیں۔"

بیگم نے کہا۔ "خیر یہی سہی۔"

پانچ عورتیں بیگم کے ساتھ کوہ حبشہ پر گئی تھیں، ایک میں اور چار اور پہاڑ پر پہنچے تو عجیب طرح کی خوشبو مہک رہی تھی۔ چلتے چلتے شاہ صاحب تک پہنچے۔ ہو کا مقام تھا نہ آدمی نہ آدم زاد، تن تنہا شاہ صاحب ایک غار میں رہتے تھے، کیسی نورانی شکل، جیسی فرشتہ، ہم سب کو دیکھ کر دعا دی، بیگم کو بارہ لونگیں دیں اور کچھ پڑھ کر دم کر دیا۔

مجھ سے کہا۔ "چلی جا آگرے اور دلی میں لوگوں کے کام بنایا کر۔"

بی! ان بارہ لونگوں میں کی دو لونگیں یہ ہیں۔"

حج کر کے جو لوٹے تو نواب یا تو بیگم کی بات نہ پوچھتے تھے، یا یہ نوبت ہوئی کہ ایک مہینہ آگے سے بمبئی میں آکر بیگم لینے کو پڑے۔ جونہی بیگم نے جہاز سے پاؤں اتارا نواب نے اپنا سر بیگم کے قدموں پر رکھ دیا اور رو کر خطا معاف کروائی۔

چھ برس میں بھوپال میں حج سے آکر ٹھہری، فقیر کی دعا کی برکت سے لگاتار اوپر تلے چار بیٹے بیگم کے رہنے تک ہو چکے تھے، پھر مجھ کو اپنا دیس یاد آیا۔ بیگم سے اجازت مانگی، بہت سا روکا، میں نے کہا۔ "شاہ صاحب نے مجھ کو دلی، آگرے کی خدمت سپرد کی ہے، مجھ کو وہاں جانا ضرور ہے، یہ سن کر بیگم نے چار و ناچار مجھ کو رخصت کیا۔

دو لونگ اور اس کے ساتھ دو ورق کی حکایت دل چسپ مزاج دار دل و جان سے معتقد ہو گئی۔

جن تو لونگیں دے کر رخصت ہوئی، مزاج دار ہونے غسل کر کے کپڑے بدل خوشبو لگا ایک

لونگ تو بسم اللہ کر کے اپنی چوٹی میں باندھی اور میاں کے پلنگ کی چادر اور تکیوں کے غلاف بدل ایک لونگ کسی تکیے میں رکھ دی۔

محمد عاقل جو گھر میں آیا بی بی کو دیکھا صاف ستھری پلنگ کی چادر بے کہے بدلی ہوئی۔ خوش ہوا اور التفات کے ساتھ باتیں کرنے لگا۔

مزاج دار نے کہا' دیکھو ہم نے آج ایک چیز مول لی ہے۔ یہ کہہ کر ازار بند دکھایا۔

محمد عاقل نے کہا۔ "کتنے کو لیا ہے؟"

مزاج دار نے کہا۔ "تم تو آنکو کتنے کا ہے؟"

وہ ازار بند خاص لاہور کا بنا ہوا نہایت عمدہ تھا کلابتو کی گھمہ دار ہڑیں تھیں۔

محمد عاقل نے کہا۔ "دو روپے سے کسی طرح کم کا نہیں ہے۔"

مزاج دار نے کہا۔ "چار آنے کو لیا ہے۔"

محمد عاقل نے کہا۔ "سچ کہو؟"

مزاج دار نے کہا۔ "تمہارے سر کی قسم چار ہی آنے کو لیا ہے۔"

محمد عاقل نے کہا' بہت سستا ہے' کہاں سے مل گیا؟"

مزاج دار نے کہا۔ "ایک جن بڑی نیک بخت ہے بہت دنوں سے گلی میں آیا کرتی ہے۔ کسی بیگم کا ہے وہ بیچنے کو لائی تھی۔"

یہ کہہ کر سرمہ' ناد علی ﷺ فیروزے کی انگوٹھی بھی مزاج دار نے دکھائی' طمع ایسی بری چیز ہے کہ بڑا سیانا آدمی بھی اس سے دھوکا کھا جاتا ہے۔ جنگلی جانور مینا' طوطا' لعل' بلبل' آدمی کی شکل سے بھاگتے ہیں' لیکن دانے کی طمع سے جال میں پھنس جاتے ہیں اور زندگی بھر قفس میں قید رہتے ہیں۔ اسی طرح محمد عاقل اپنا فائدہ دیکھ کر خوش ہوا اور جب مزاج دار نے کہا کہ وہ جن بیگم کا تمام اسباب جو بکنے کو نکلے گا میرے پاس لانے کا وعدہ کر گئی ہے۔

محمد عاقل نے کہا۔ "ضرور دیکھنا چاہیے' لیکن ایسا نہ ہو چوری کا مال ہو' پیچھے کو خرابی پڑے اور ہاں جن کوئی ٹھگنی نہ ہو۔"

مزاج دار نے کہا۔ "خدا خدا کرو وہ جن ایسی نہیں ہے۔"

غرض بات گئی گزری ہوئی۔ محمد عاقل سے جو آج ایسی باتیں ہوئیں مزاج دار کو لونگوں پر اعتقاد جم گیا۔ اگلے دن زلفن کو بھیج جن کو بلوایا اور آج مزاج دار بیٹی بنیں اور جن کو ماں بنایا رات کے وقت محمد عاقل سے پھر جن کا ذکر آیا تو پھر محمد عاقل نے کہا۔ "کہ دیکھو ہوشیار رہنا' اس بھیس

میں کتنیاں اور ٹھگنیاں بہت ہوا کرتی ہیں ' لیکن طمع نے خود محمد عاقل کی عقل پر ایسا پردہ ڈال دیا کہ اتنی موٹی بات اس نے نہ سمجھی کہ دو روپے کا مال چار آنے کو کوئی بے وجہ بھی دیتا ہے ' محمد عاقل کو مناسب تھا کہ قطعاً" اس جن کو آنے کی ممانعت کرتا اور سب چیزیں اس کی پھروا دیتا اور مزاج دار کو اتنی عقل کہاں تھی کہ اس بتہ کو سمجھتی۔ کئی دن کے بعد مزاج دار نے جن سے پوچھا۔ "کیوں بی؟ آج کل بیگم کی کوئی چیز نہیں لاتیں؟" جن نے جان لیا کہ اس کو اچھی چاٹ لگ گئی ہے ' کہا۔ "تمہارے ڈھب کی کوئی چیز نکلے تو لاؤں۔"

دو چار دن بعد جھوٹے موتیوں کی ایک ایک جوڑی لائی اور کہا۔ "لوبی خود بیگم کی نتھ کے موتی ہیں ' نہیں معلوم ہزار کی جوڑی ہے یا پانچ سو کی۔ پنال جوہری کی دکان پر میں نے دکھائی تھی لٹو ہو گیا ' دو سو روپیہ میرے پلے باندھے دیتا تھا۔ میں بیگم سے پچاس روپے پر لائی ہوں ' تم لے لو ایسا مال نہ ملے گا۔"

مزاج دار نے کہا۔ "پچاس روپے نقد تو میرے پاس نہیں ہیں۔"

جن نے کہا۔ "کیا ہوا بیٹی پہونچیاں بیچ کر لے لو ' نہیں تم جانو ' آج یہ موتی بک جائیں گے۔"

جن نے اس ڈھب سے کہا کہ مزاج دار فوراً زیور کا صندوقچہ اٹھا لائی اور جن کو پہونچیاں نکال کر حوالے کر دیں۔

جن نے مزاج دار کا زیور دیکھ کر کہا۔ "اے ہے کیسی بری طرح زیور مولی گاجر کی طرح ڈال رکھا ہے۔ بیٹی دھگدگی میں ڈورا ڈلواؤ ' بالی ' پتے ' نگر ' مرکیاں ' بازو بند میلے چکٹ ہو گئے ہیں ' میل سونے کو کھائے جاتا ہے ' ان کو اجلواؤ۔"

مزاج دار نے کہا۔ "کون ڈورا ڈلوائے اور کون اجلوا کر لائے ' ان سے کہتی ہوں تو وہ کہتے ہیں مجھے فرصت نہیں؟"

جن نے کہا۔ "اوئی بیٹی! یہ کون بڑا کام ہے ' لو موتی رہنے دو ابھی میں ڈورا ڈلوا لا دوں اور جو زیور میلا ہے مجھے نکال دو میں ابھی اجلوا دوں۔"

مزاج دار نے سب زیور حوالے کیا۔

جن نے کہا۔ "زلفن کو بھی ساتھ کر دو وہ سنار کے پاس بیٹھی رہے گی میں پٹوے سے ڈوری ڈلواؤں گی۔"

مزاج دار نے کہا۔ "اچھا۔"

یہ کہہ کر زلفن کو آواز دی' آئی تو جمن نے کہا۔ "لڑکی؟" ذرا میرے ساتھ چل' سنار کی دکان پر بیٹھی رہیو۔"

جمن نے زیور لیا زلفن ساتھ ہوئی گلی سے باہر نکلی جمن نے رومال کھولا اور زلفن سے کہا۔ "لاؤ اجلوانے کا الگ کر لیں اور ڈورا ڈلوانے کا الگ۔" زیور کو الگ کرتے کرتے جمن بولی۔ "ایں ناک کی کیل کہاں ہے؟"

زلفن نے کہا۔ "اسی میں ہو گی ذرا بھر کی تو چیز ہے اس پوٹلی میں دیکھو۔"

پھر جمن آپ ہی آپ بولی۔ "اے ہے پان دان کے ڈھکنے پر رکھی رہ گئی اری زلفن دوڑ تو جا' جلدی سے لے آ۔"

زلفن بھاگی بھاگی آئی اور دروازے میں سے چلائی' بی بی ناک کی کیل پان دان کے ڈھکنے پر رہ گئی ہے' جمن نے مانگی ہے' جلدی دو' جمن گلی کی نکڑ پر دیا بنئے کی دکان کے آگے بیٹھی ہے۔"

یہ کہنا تھا اور مزاج دار بہو کا ماتھا ٹھنکا' زلفن سے کہا "باؤلی ہوئی ہے کیسی کیل؟ میرے پاس کہیں تو تھی تو نے دیکھی ہے؟ اری کم بخت دوڑ دیکھ تو جمن کہیں چلی نہ جائے۔"

زلفن الٹے پاؤں دوڑی گئی' جمن کو ادھر دیکھا ادھر دیکھا کہیں پتا نہ تھا۔ مزاج دار سے آکر کہا۔ "بی جمن کا تو کہیں پتا نہیں' میں بازار تک دیکھ آئی' اتنی دیر میں نہیں معلوم کہاں غائب ہو گئی۔"

یہ سن کر مزاج دار پیٹنے لگی۔ "ہائے میں لٹ گئی ہائے میں لٹ گئی' ارے لوگو! خدا کے لیے دوڑیو۔"

موم گروں کے چھتے تک لوگ دوڑے وہاں جا کر معلوم ہوا کہ کہیں کی بھتی بھاتی مہینے بھر سے کرائے پر آکر رہی تھی چار دن سے مکان چھوڑ چلی گئی۔ اب کیا ہو سکتا تھا؟

محمد عاقل نے آکر سنا' سر پیٹ لیا اور بیوی سے کہا۔ "ارے تو گھر کو خاک سیاہ کر کے چھوڑے گی' میں تجھ کو پہلے سے جانتا ہوں۔"

مزاج دار نے کہا۔ "چل دور ہو اب باتیں بنانے کھڑا ہوا ہے' ازار بند دیکھ کر تو نے آپ مجھ سے نہیں کہا کہ ہاں بیگم کا اسباب ضرور دیکھنا۔"

غرض خوب مزے کی لڑائی دونوں میاں بی بی میں ہوئی تمام محلّہ جمع ہو گیا' بات پر بات چلی تو معلوم ہوا کہ اسی جمن نے کچی گلی میں احمد بخش خاں کی بی بی کا تمام زیور اس حیلے سے ٹھگ لیا کہ ایک فقیر سے دونا کرا لادوں گی' روئی کے کٹرے میں میاں میتا کی بیٹی سے ایسی محبت بڑھائی کہ

ان کا زیور عاریت کے حیلے سے اڑا لے گئی' غرض زیور تو گیا گزرا ہوا باتیں بہت سی رہ گئیں' برتن چوری جا چکے تھے' زیور یوں غارت ہوا۔ ہزار روپے کی موتیوں کی جوڑی جو لوگوں نے دیکھی تو تین پیسے کی تھی' تھانے میں اطلاع ہوئی لوگوں نے بطور خود بہت ڈھونڈا' جن کا سراغ نہ ملا پر نہ ملا۔

اکبری کو جہیز میں جو کپڑے ملے تھے ان کا حال سنئے۔ جب تک ساس کے ساتھ رہیں وہیں ساس دسویں پندرھویں دن نکال کر دھوپ دے دیا کرتی تھیں' شروع برسات میں الگ ہو کر رہیں کپڑوں کا صندوق جس کوٹھری میں جس طرح رکھا گیا تھا تمام برسات گزر گئی اس کو دیکھنا نصیب نہ ہوا' وہیں اسی طرح رکھا رہا۔ جاڑے کی آمد میں دلائی کی ضرورت ہوئی تو صندوق کھولا گیا بہت سے کپڑوں کو دیمک چاٹ گئی تھی۔ چوہوں نے کلٹ کاٹ کر بغارے ڈال دیے تھے۔ کوئی کپڑا سلامت نہیں بچنے پایا۔

جو لڑکیاں بچپن میں لاڈ پیار میں رہا کرتی ہیں اور ہنر اور سلیقہ نہیں سیکھتیں یوں اکبری کی طرح عمر بھر رنج و تکلیف اٹھاتی ہیں۔

اکبری کا جتنا حال تم نے پڑھا اس سے تم کو معلوم ہوا ہو گا کہ اکبری کو ماں اور نانی کے لاڈ نے اس کی زندگی بھر کیسی مصیبت میں رکھا۔ لڑکپن میں اکبری نے نہ تو کوئی ہنر سیکھا نہ کچھ اس کے مزاج کی اصلاح ہوئی۔ جب اکبری نے ساس سے جدا ہو کر الگ گھر کیا۔ برتن' بھانڈا' کپڑا' زیور سب کچھ اس کے پاس موجود تھا' چونکہ خانہ داری کا سلیقہ نہیں رکھتی تھی۔ چند روز میں تمام مال و اسباب خاک میں ملا دیا اور ایک ہی برس میں ہاتھ کان سے ننگی رہ گئی۔ اگر محمد عاقل بھی اس کی طرح کا احمق و بدمزاج ہوتا تو شاید ایک دوسرے سے قطع تعلق ہو جاتا۔ لیکن محمد عاقل نے ہمیشہ عقل و شرافت کو برتا۔

اصغری خانم کا حال

اب سنو اصغری کا حال یہ لڑکی اس گھر میں ایسی تھی۔ جیسے باغ میں گلاب کا پھول' یا آدمی کے جسم میں آنکھ' ہر ایک طرح کا ہنر' ہر ایک طرح کا سلیقہ اس کو حاصل تھا' عقل ہنر' حیا' لحاظ سب صفتیں خدا نے اصغری کو عنایت کی تھی' لڑکپن سے اس کو کھیل' کود' ہنسی اور چھیڑ سے نفرت تھی' پڑھنا یا گھر کا کام کرنا۔ کبھی اس کو کسی نے واہیات بکتے یا کسی سے لڑتے نہیں دیکھا' محلے کی جتنی عورتیں تھیں' سب اس کو بیٹیوں کی طرح چاہتی تھیں۔ بے شک زہے قسمت اس ماں اور باپ کی جن کی بیٹی اصغری تھی' اور خوش نصیب اس گھر کے جس میں اصغری بہو بن کر جانے والی تھی' اب خدا کے فضل و کرم سے اصغری کی عمر تیرہ برس کی ہوئی۔

بات تو اس کی محمد کامل سے ٹھہری تھی۔ اب چرچا ہونے لگا کہ مہینہ اور دن مقرر ہو جائے۔ ادھر محمد کامل کی ماں اکبری کے ڈھنگ دیکھ کر اتنا ڈر گئی تھی (مثل ہے کہ دودھ کا جلا چھاچھ کو پھونک کر پیتا ہے) کہ اکبری کے تصور سے بدن پر رونگٹے کھڑے ہوتے تھے' در پردہ محمد کامل کی ماں کا ارادہ تھا کہ چھوٹے لڑکے کی منگنی دوسرے گھر میں کروں' محمد عاقل کو کسی طرح معلوم ہو گیا اور اس نے ماں سے کہا۔ "اماں! میں نے سنا ہے تم محمد کامل کی منگنی چھڑانا چاہتی ہو؟"

ماں نے کہا۔ "کیا بتاؤں بیٹا! بڑی سوچ میں ہوں کیا کروں' کیا نہ کروں؟"

تم سے میری آنکھ سامنے نہیں ہوتی' خدا نے مجھ کو تمہارا گنہگار بنا دیا۔ دیکھئے محمد کامل کی قسمت کیسی ہے؟"

محمد عاقل نے کہا۔ "اماں خدا کی قسم اصغری ہزار لڑکیوں میں ایک ہے' عمر بھر چراغ لے کر ڈھونڈو گی تو اصغری جیسی لڑکی نہ پاؤ گی' صورت' سیرت دونوں میں خدا نے ں فائق اور لائق بنایا ہے۔ ہرگز اندیشہ مت کرو۔ بسم اللہ کر کے بیاہ کر ڈالو اور بڑی بہن پر جو خیال کرو تو آپ نے

سنا ہو گا؎

نہ ہر زن زن است و نہ ہر مرد مرد
خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد

اپنا اپنا مزاج اور اپنی اپنی طبیعت'

گل جو چمن میں ہیں ہزار دیکھ ظفر ہے کیا بہار
سب کا ہے رنگ الگ الگ سب کی ہے بو الگ الگ

تمہاری بڑی بہو کو لاحول ولاقوۃ اصغری سے کیا نسبت۔

چہ؎ نسبت خاک را با عالم پاک

اور خدا راست لائے' بیاہ کے بعد میری بات کا تم کو یقین حاصل ہو گا۔

محمد عاقل نے اس قدر تعریف جو اصغری کی بیان کی' پھر محمد کامل کے ساتھ جو بات تھی پکی ہو گئی' غرض دونوں سمدھیانوں کی صلاح سے یہ امر قرار پایا کہ بقرعید کے اگلے دن اصل خیر سے نکاح ہو' اصغری کا باپ دور اندیش خان پہاڑ پر نوکر تھا' اس کو خط گیا۔ خط کے پہنچتے ہی خاں صاحب کی باچھیں کھل گئیں۔ اصغری کو سب بچوں میں بہت چاہتا تھا' فوراً رخصت کی درخواست کی۔ جواب صاف ملا' بہت زور مارے ایک نہ چلی' جاڑے کی آمد تھی' دورہ شروع ہونے کو تھا' حاکم کو بھی بہانہ معقول تھا' دور اندیش خاں کو رخصت نہ ملنے سے بہت رنج ہوا' مگر بندگی و بے چارگی کیا کرتا "قہر درویش برجان درویش۔" چپ ہو کر بیٹھ رہا' لیکن بڑا بیٹا خیر اندیش خان ساتھ' پانچ سو روپے نقد دے' اس کو گھر روانہ کیا اور سب پس و پیش سمجھا دیا' گھر پر زیور' کپڑا' برتن سب پہلے سے موجود تھا' خیر اندیش خان نے مکان پر پہنچ کر چاول' گھی' گیہوں' مصالحہ سب بقدر ضرورت خرید لیا۔

اصغری کے کپڑوں میں مصالحہ لگنا شروع ہوا۔ ماں کا ارادہ تھا کہ اصغری کو بڑی بہن کی بہ نسبت بڑھ چڑھ کر جہیز ملے۔ جوڑے بھی اس کے بھاری ہوں' زیور کے عدد بھی زیادہ ہوں' برتن بھی استعمالی وزنی دیے جائیں۔

اصغری آخر اسی گھر میں رہتی تھی' جو بات ہوتی اس کو ضرور معلوم ہو جاتی' جب اصغری نے سنا کہ مجھ کو جہیز آپا سے زیادہ ملنے والا ہے' بے وقوف لڑکی ہوتی تو خوش ہوتی اصغری کو رنج ہوا اور اس فکر میں ہوئی کہ کس تدبیر سے اماں کو منع کر دوں۔

آخر تماشا خانم اپنی خالہ زاد بہن سے شرماتے شرماتے کہا۔ "کہ میں نے ایسا ایسا سنا ہے مجھ کو

اس کا نہایت سوچ لگا ہے' کئی دن سے نہایت فکر میں ہیں' الٰہی کیا کروں؟ اچھا ہوا تم آنکلیں' بوجہ ہم عمری تم سے کہنے میں تامل نہیں' کوئی اماں کو اتنی بات سمجھا دے کہ مجھ کو آپا سے زیادہ ایک چیز نہ دیں۔"

تماشا خانم نے سن کر کہا۔ "تم بھی بوا کوئی تماشے کی عورت ہو' وہی کہاوت ہے (گدھے کو نون دیا اس نے کہا میری آنکھیں دکھتی ہیں) خدا دلواتا ہے تم کیوں انکار کرو؟"

اصغری نے کہا۔ "تم دیوانی ہوئی ہو' اس میں کئی قباحتیں ہیں۔ آپا کے مزاج سے تم واقف ہو' ان کو ضرور رنج ہو گا ناحق اماں سے بدمزگی ہو گی' مجھ سے بھی ان کو بدگمانی پیدا ہو گی۔"

تماشا خانم نے کہا۔ "بوا اس میں رنج کی کیا بات ہے؟ اپنی اپنی قسمت ہے اور سمجھنے کو سو طرح کی باتیں ہیں' ان کی بسم اللہ شادی ہوئی' روزہ رکھا گیا' چار برس تک منگنی رہی۔ نیز تہوار ان کا کون سا نہیں ہوا؟ ان کی کسر ادھر سمجھ لیں۔"

اصغری نے کہا۔ "سچ ہے مگر نام تو جہیز کا ہے' چھوٹی کو زیادہ ملے گا تو بڑی کو رنج ہو ہی گا' ایک محلے کا رہنا روز کا ملنا ملانا' جس بات سے دلوں میں فرق پڑے کیوں کی جائے۔۔۔۔۔؟

تماشا خانم نے کہا۔ "بہن ناحق تم اپنا نقصان کرتی ہو' اجی! مہینے دو مہینے میں سب بھول بسر جائیں گے۔"

اصغری نے کہا۔ "ارے بی! اللہ اللہ کرو' نفع نقصان کیسا کہیں ماں باپ کے دینے سے پوری پڑتی ہے اور جہیز سے عمریں کٹتی ہیں؟

خدا اپنی قدرت سے دے تم اس بات میں اصرار مت کرو' نہیں میں کچھ دوسری تدبیر کروں' مجھ کو کسی طرح منظور نہیں ہے۔"

غرض اصغری کی ماں تک یہ بات پہنچ گئی اور وہ بھی کچھ سوچ سمجھ اپنے ارادے سے باز رہی اور دل میں کہنے لگی۔ "دینے کے سو ڈھب ہیں دوسری جگہ سمجھ لوں گی۔"

الغرض روز مقرر کو ساعت نیک میں نکاح ہو گیا' مبارک سلامت ہونے لگی' خیر اندیش خاں ایسا منتظم آدمی تھا کہ اکیلے نے نہایت خوبی کے ساتھ بہن کا بیاہ کر دیا۔ براتیوں کی مدارات علی قدر مراتب خوب ہوئی' حق حقوق والوں کو بہت خاصی طرح راضی کر دیا۔

جب اصغری کی رخصت کا وقت آپہنچا گھر میں آفت برپا تھی' ماں پر تو نہایت درجے کا صدمہ تھا۔ محلے کی بیبیوں کا یہ حال تھا کہ آ آ کر اصغری کو گلے لگا لگا روتی تھیں اور ہر ایک کے دل سے دعا نکلتی تھی' اصغری ان دعاؤں کا بڑا بھاری جہیز لے کر سسرال میں داخل ہوئی وہاں کی رسمیں جو

تھیں ادا ہوئیں، رونمائی کے بعد اصغری خانم کو تمیزدار بہو کا خطاب ملا۔ آگے چل کر تم کو معلوم ہو جائے گا کہ اصغری نے خانہ داری کو کس طرح پر سنبھالا۔ کیا کیا مشکلیں اس کو پیش آئیں اور اس نے اپنی عقل سے کیوں کر ان کو رفع کیا۔

ذرا اصغری کی حالت کو اکبری کی حالت سے مقابلہ کرنا چاہیے، اصغری ماں کی دوسری بیٹی اور ساس کی دوسری بہو تھی۔ دونوں طرف کے ارمان اور حوصلے اکبری کے بیاہ میں نکل چکے تھے۔ اکبری سولہ برس کی بیاہی گئی تھی اور اصغری بیاہ کے وقت پورے تیرہ برس کی بھی نہ تھی۔ جب اکبری کا بیاہ ہوا اس کا دولہا محمد عاقل دس روپے کا نوکر تھا اور اصغری کا دولہا محمد کامل ہنوز پڑھتا تھا۔ محمد عاقل کی بہ نسبت محمد کامل کم علم اور کم عقل بھی تھا، اکبری کامل دو برس تک بال بچوں کے بکھیڑے سے آزاد رہی اور اصغری کو خدا نے بیاہ کر دوسرے برس ہی چھوٹی سی عمر میں ماں بنا دیا۔ اکبری کو کبھی شہر سے باہر نکلنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اصغری برسوں سفر میں رہی۔

پس بہرحال اصغری کی حالت اکبری کی حالت کے مقابلے میں اچھی نہ تھی، مگر اصغری کو بچپن سے تربیت ہوئی تھی روز بروز گھر میں برکت زیادہ ہوتی جاتی تھی، یہاں تک کہ اکبری کا نام بھی کوئی نہیں جانتا اور خانم کے بازار میں تمیزدار بہو کا وہ عالی شان محل کھڑا ہے کہ آسمان سے باتیں کرتا ہے اور اصغری خانم ہی کے نام سے وہ محلہ خانم کا بازار مشہور ہوا۔ جوہری بازار میں وہ اونچی مسجد جس میں حوض اور کنواں ہے تمیزدار بہو ہی کی بنوائی ہوئی ہے۔ خاص بازار سے آگے بڑھ کر لال ڈگی کی بغل میں تمیز گنج اسی کا ہے۔ مولوی محمد حیات صاحب کی مسجد میں اب تک بیس مسافروں کو اس کے لنگر خانے سے خمیری روٹی اور چنے کا قلیہ دونوں وقت پہنچا کرتا ہے۔ قطب صاحب میں اولیاء مسجد کے برابر سرائے اسی تمیزدار بہو کی بنوائی ہوئی ہے۔ فتح پوری میں بمبئی کے چھاپے کے پانچ سو قرآن ایک دن اسی نے تقسیم کیے تھے، ہزار کمبل آتے جاڑے اب تک مسکینوں کو ملا کرتے ہیں۔

جب خیر اندیش خاں نے اپنے باپ دور اندیش خاں کو اطلاع کی کہ خدا کے فضل و کرم سے خیرو خوبی کے ساتھ عقد ہمشیرہ عزیزہ کی ذی الحجہ کی گیارھویں تاریخ مہر فاطمہ " پر ہو گیا۔ دور اندیش خاں نے دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی، لیکن بیٹی کی مفارقت کا قلق بہت دن تک رہا۔ اصغری کے نام شادی ہو جانے کے بعد دور اندیش خاں نے جو خط لکھا، دیکھنے کے لائق ہے، اتفاق سے ہم کو اس کی نقل ہاتھ آئی تھی۔ وہ خط یہ ہے۔

آرام دل و جان برخوردار اصغری خانم سلمہا اللہ تعالیٰ!

دعا اور اشتیاق دیدہ بوسی کے بعد واضح ہو کہ تمہارے بھائی خیر اندیش خاں کے لکھنے سے حال تمہاری رخصت کا معلوم ہوا۔

برسوں سے یہ تمنا دل میں تھی کہ یہ فرض میں اپنے اہتمام خاص سے ادا کروں' مگر حاکم نے رخصت نہ دی۔ مجبور رہا۔ یہ بات تم پر ظاہر ہوئی ہو گی کہ سب بچوں میں تم سے مجھ کو ایک خاص درجے کا انس تھا اور میں اس بات کو بطور اظہار احسان نہیں لکھتا بلکہ تم نے اپنی خدمت گزاری اور فرماں برداری سے خود میرے اور سب کے دل میں جگہ پیدا کی تھی۔ آٹھ برس کی عمر سے تم نے میرے گھر کا تمام بوجھ اپنے سر پر اٹھا رکھا تھا۔ مجھ کو ہمیشہ یہ بات معلوم ہوتی رہی کہ تمہارے سبب بیگم یعنی تمہاری ماں کو بڑی بے فکری حاصل ہے۔ جب کبھی اس اثناء میں مجھ کو گھر جانے کا اتفاق ہوا' تمہارا انتظام دیکھ کر ہمیشہ میرا جی خوش ہوا۔ اب تمہارے رخصت ہو جانے سے ایسا نقصان ہوا کہ اس کی تلافی شاید اس عمر میں ہونے کی مجھ کو امید نہیں ہو سکتی۔ خدا تم کو جزائے خیر دے اور اس خدمت کے صلے میں میری دعاؤں کا اثر تم پر ظاہر ہو۔

خیر اندیش خاں کے خط سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تم نے اکبری خانم سے زیادہ جہیز نہیں لینا چاہا۔ اس سے تمہاری بلند نظری اور عالی ہمتی ثابت ہوتی ہے۔ مگر میں اس کا نعم البدل بھیجتا ہوں۔ وہ یہ خط ہے۔ اس کو تم بطور دستور العمل کے اپنے پاس رکھو اور ان نصیحتوں پر عمل کرو' انشاء اللہ تعالیٰ ہر ایک تکلیف تم پر آسان ہو گی اور اپنی زندگی آرام و آسائش میں بسر کرو گی۔

سمجھنا چاہیئے کہ بیاہ کیا چیز ہے؟

بیاہ صرف یہی بات نہیں ہے کہ رنگین کپڑے پہنے اور مہمان جمع ہوئے مال و اسباب و زیور پایا' بلکہ بیاہ سے نئی دنیا شروع ہوتی ہے' نئے لوگوں سے معاملہ کرنا اور نئے گھر میں رہنا پڑتا ہے۔ جس طرح پہلے پہل بچھڑوں پر جوا رکھا جاتا ہے' آدمی کے بچھڑوں کا جوا بیاہ ہے۔ نکاح ہوا لڑکی بی بی بنی' لڑکا میاں بنا۔ اس کے یہی معنی ہیں کہ دونوں کو پکڑ کر دنیا کی گاڑی میں جوت دیا۔ اب گاڑی قبر کی منزل تک ان کو کھینچنی پڑے گی۔

پس بہتر یہ ہے کہ دل کو مضبوط کر کے اس بار عظیم کا تحمل کیا جائے اور زندگی کے دن جس قدر ہوں عزت' آبرو' صلح کاری' اتفاق سے کاٹ دیے جائیں۔ ورنہ لڑائی بھڑائی جھگڑے بکھیڑے شور و فساد ہائے اور واویلا سے دنیا کی مصیبت اور بھی زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے۔

اب تم کو اے میری پیاری بیٹی اصغری خانم! سوچنا چاہیئے کہ میاں بی بی میں خدا نے کتنا فرق رکھا ہے؟

مذہب کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت آدمؑ بہشت میں اکیلے گھبرایا کرتے تھے، ان کو بہلانے کو خدا نے اماں حوا کو جو سب سے پہلی عورت دنیا میں گزری پیدا کیا پس عورت کا پیدا کرنا صرف مرد کی خوش دلی کے واسطے تھا اور عورت کا فرض ہے۔ "مرد کو خوش رکھنا۔"

افسوس ہے کہ دنیا میں کس قدر کم عورتیں اس فرض کو ادا کرتی ہیں۔ مردوں کا درجہ خدا نے عورتوں پر زیادہ کیا نہ صرف حکم دینے سے بلکہ مردوں کے جسم میں زیادہ قوت اور ان کی عقلوں میں زیادہ روشنی دی ہے۔ دنیا کا بندوبست مردوں کی ذات سے ہوتا ہے۔ مرد کمانے والے اور عورتیں ان کی کمائی کو موقع مناسب پر خرچ کرنے والی اور اس کی نگہبان ہیں۔

کنبہ بطور کشتی کے ہے اور مرد اس کے ملاح ہیں۔ اگر ملاح نہ ہو تو کشتی پانی کی موجوں میں ڈوب جائے گی یا کسی کنارے پر ٹکر کھا کر پھٹ پڑے گی۔ کنبے میں اگر مرد منتظم نہیں تو اس میں ہر ایک طرح کی خرابی کا احتمال ہے، کبھی نہیں خیال کرنا چاہیئے کہ دنیا میں خوشی دولت اور مال داری سے حاصل ہوتی ہے۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ دولت اکثر خوشی کا باعث ہوتی ہے، بہت بڑے اور اونچے گھروں میں لڑائی اور فساد ہم زیادہ پاتے ہیں۔ خانہ داری میں خوشی صرف اتفاق اور صلح کاری سے ہوتی ہے۔

غریب آدمیوں کو ہم دیکھتے ہیں جن کی آمدنی بہت مختصر ہے، دن کو محنت مزدوری سے معاش پیدا کرتے ہیں۔ رات کو سب مل کر دال روٹی سے اپنا پیٹ بھر لیتے اور ایک دوسرے کے ساتھ خوش رہتے۔ بے شک یہ لوگ صلح کاری کے سبب دال روٹی اور گاڑھے دھوتر میں زیادہ آرام سے ہیں۔ بہ نسبت نوابوں اور بیگموں کے جن کا تمام عیش آپس کی ناسازگاری سے تلخ رہتا ہے۔

اے میری بیٹی اصغری خانم! اتفاق پیدا کرو اور صلح کاری کو غنیمت جانو۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ اتفاق کن باتوں سے پیدا ہوتا ہے۔ نہ صرف اس بات سے کہ بی بی اپنے میاں سے محبت کرے بلکہ محبت کے علاوہ اس کو میاں کا ادب بھی کرنا لازم ہے۔ بڑی نادانی ہے، اگر بی بی برابر درجے میں میاں کو سمجھے بلکہ اس زمانے میں عورتوں نے ایسا خراب دستور اختیار کیا ہے کہ وہ ادب کے بالکل خلاف ہے جب چند سہیلیاں آپس میں بیٹھ کر باتیں کرتی ہیں تو اکثر یہ تذکرہ ہوتا ہے کہ فلانی کا میاں اس کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ رکھتا ہے؟

ایک کہتی ہے بوا! میں نے تو یہاں تک ان کو دبایا ہے کیا مجال جو میری بات کو کاٹیں یا الٹ کر جواب دیں۔

دوسری فخر کرتی ہے۔ جب تک گھڑیوں خوشامد نہ کریں میں کھانا نہیں کھاتی۔

تیسری بڑائی مارتی ہے' مجھے تو دس مرتبہ پوچھتے ہیں تب ایک جواب مشکل سے دیتی ہوں۔
چوتھی ڈینگ کی لیتی ہے' چاہے وہ آپ پہروں نیچے بیٹھیں رہیں' بندی کو پلنگ سے اترنا قسم ہے۔
پانچویں شیخی بگھارتی ہے' جو میری زبان سے نکلتا ہے پورا کرا کے رہتی ہوں۔
شادی بیاہ میں ٹونے ٹوٹکے بھی اسی غرض سے نکلے ہیں کہ میاں مطیع و فرماں بردار رہے۔
کہیں تو جوتی پر کاجل پاڑ کر میاں کے سرمہ لگایا جاتا ہے۔ اس کا یہ مطلب کہ عمر بھر جوتیاں کھاتا رہے' اور چوں نہ کرے۔
کہیں نہاتے وقت انگوٹھے کے تلے بیڑا رکھا جاتا ہے اور میاں کو کھلایا جاتا ہے۔ اس کے یہ معنی کہ پیروں پڑتا رہے۔
ان باتوں سے صاف ظاہر ہے کہ عورتیں مردوں کا درجہ اور اختیار کم کرنے پر آمادہ ہیں۔ لیکن یہ تعلیم بہت بری تعلیم ہے اور ہمیشہ اس کا نتیجہ قباحت سے خالی نہیں' مردوں کو خدا نے شیر بنایا ہے۔ اگر دباؤ اور زبردستی سے کوئی ان کو زیر کرنا چاہے ناممکن ہے۔ بہت آسان ترکیب ان کو زیر کرنے کی خوشامد اور سمجھداری ہے اور جو احمق عورت اپنا دباؤ ڈال کر مرد کو زیر کرنا چاہتی ہے' وہ بڑی غلطی میں ہے' وہ شروع سے تخم فساد بوتی ہے اور انجام اس کا ضرور فساد ہو گا۔ اگرچہ وہ اس کو بالفعل نہیں سمجھتی۔
اصغری خانم! میری صلاح یہ ہے کہ تم گفتگو اور نشست و برخاست میں بھی اپنے میاں کا ادب ملحوظ رکھنا۔ کیا وجہ ہے کہ شادی بیاہ ایسی چاؤ سے ہوتا ہے؟ اور چوتھی کے بعد ہی بہو سے ساس نندوں کا بگاڑ شروع ہو جاتا ہے۔ یہ مضمون غور کے قابل ہے' بیاہ کے پہلے تک لڑکا ماں باپ میں رہا اور صرف انہیں کے ساتھ اس کو تعلق تھا۔ ماں باپ نے اس کو پرورش کیا اور یہ توقع کرتے رہے کہ بڑھاپے میں ہماری خدمت کرے گا' بیاہ کے بعد بہو ڈولی سے اترتے ہی یہ فکر کرنے لگتی ہے کہ میاں آج ماں باپ کو چھوڑ دیں۔
پس لڑائی ہمیشہ بہوؤں کی طرف سے شروع ہوتی ہے اگر بہو کنبے میں مل کر رہے اور کبھی ساس کو یہ نہ معلوم ہو کہ یہ بیٹے کو ہم سے چھڑانا چاہتی ہے' تو ہرگز فساد نہ پیدا ہو۔ یہ تو سب کوئی جانتا ہے کہ بیاہ کے بعد ماں باپ سے تعلق چند روزہ ہے' آخر گھر الگ ہو گا۔ میاں بی بی جدا ہو کر رہیں گے۔ دنیا میں یہی ہوتی آئی ہے' لیکن نہیں معلوم کم بخت بہوؤں کو بے صبری کہاں کی ہوتی ہے کہ جو کچھ ہونا ہو اسی دم ہو جائے۔

بہوؤں میں ایک عیب چغلی کا ہوتا ہے۔ جس سے زیادہ فساد ہوتا ہے وہ یہ کہ سسرال کی ذرا ذرا بات آکر ماں سے کہا کرتی ہیں اور مائیں خود کھود کھود کر پوچھا کرتی ہیں۔ لیکن اس کہنے اور پوچھنے سے سوائے اس کے کہ لڑائیاں پڑیں اور جھگڑے کھڑے ہوں' کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

بعض بہویں اس طرح کی مغرور ہوتی ہیں کہ سسرال میں کیسا ہی اچھا کھانا اور کیسا ہی اچھا کپڑا ان کو ملے ہمیشہ نظر حقارت سے دیکھتی ہیں۔ ایسی باتوں سے میاں کی دل شکنی ہوتی ہے۔

اصغری! اس کی تم کو بہت احتیاط چاہیئے۔ سسرال کی ہر ایک چیز قابل قدر ہے۔ اور تم کو ہمیشہ کھانا کھا کر اور کپڑا پہن کر بشاشت ظاہر کرنی چاہیئے۔ جس سے معلوم ہو کہ تم نے پسند کیا۔ سسرال میں نئی دلہن کو اس بات کا خیال بھی ضرور رکھنا چاہیئے کہ بے دلی سے وہاں نہ رہے' اگرچہ نا آشنا ہونے کے سبب البتہ اجنبی لوگوں میں جی نہیں لگتا۔ لیکن جی کو سمجھانا چاہیئے' نہ یہ کہ روتے گئے وہاں رہے تو روتے جاتے دیر نہیں ہوئی' آنے کا تقاضا شروع ہوا رفتہ رفتہ انس پیدا کرنے کے واسطے چالوں کا رواج بہت پسندیدہ ہے۔ اس سے زیادہ میکے کا شوق ظاہر کرنا سسرال والوں کو ضرور ناپسند ہوتا ہے۔

گفتگو میں درجہ اوسط ملحوظ رہے' یعنی نہ اتنی بہت کہ خود بخود بک بک نہ اتنی کم کہ غرور سمجھا جائے' بہت بکنے کا انجام رنجش ہوتا ہے' جب رات دن کی بک بک ہوگی' ہزاروں طرح کا تذکرہ ہوگا۔ نہیں معلوم کس تذکرے میں کیا بات منہ سے نکل جائے' نہ اتنی کم گوئی اختیار کرنی چاہیئے کہ اب بولنے کے واسطے لوگ خوشامد اور منت کریں۔

ضد اور اصرار کسی بات پر زیبا نہیں' اگر کوئی بات تمہاری مرضی کے خلاف بھی ہو' اس وقت ملتوی رکھو' پھر کسی دوسرے وقت بطرز مناسب طے ہو سکتی ہے' فرمائش کسی چیز کی نہ کرنی چاہیئے' فرمائش کرنے سے آدمی نظروں میں گھٹ جاتا ہے اور اس کی بات ہیٹی ہو جاتی ہے۔ جو کام ساس نندیں کرتی ہیں' تم کو اپنے ہاتھوں سے کرنا عار نہ سمجھنا چاہیئے' چھوٹوں پر مہربانی اور بڑوں کا ادب ہر دل عزیز ہونے کے واسطے بڑی عمدہ تدبیر ہے۔ اپنا کوئی کام دوسرے کے ذمے نہیں رکھنا چاہیئے اور اپنی کوئی چیز بے خبری سے نہ پڑی رکھنی چاہیئے کہ دوسرے اس کو اٹھائیں۔

جب دو آدمی چپکے چپکے باتیں کریں' ان سے علیحدہ ہو جانا چاہیئے۔ پھر اس کی فکر بھی مت کرو کہ یہ آپس میں کیا کہتے تھے اور خواہ مخواہ یہ بھی مت سمجھو کہ کچھ ہمارا ہی تذکرہ تھا۔ اپنا معاملہ شروع سے ادب لحاظ کے ساتھ رکھو' جن لوگوں میں بہت جلد نہایت درجے کا اختلاط پیدا ہو جاتا ہے اسی قدر جلد ان میں رنجش پیدا ہونے لگتی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم ہر روز بلا

ضرورت بھی اس خط کو کم سے کم ایک دفعہ پڑھ لیا کرو تاکہ اس کا مطلب پیش نظر رہے۔

"محررہ' دور اندیش خاں"

باپ کا خط پاکر اصغری کے دل میں جوش محبت نے عجیب اثر پیدا کیا اور بے اختیار رونے کو جی چاہا۔ لیکن نئی بیاہی ہوئی تھی' سسرال میں رو نہ سکی' ضبط کو کام میں لائی اور باپ کے خط کو آنکھوں سے لگایا۔ بہت احتیاط سے وظیفے کی کتاب میں رکھ لیا اور ہر روز بلاناغہ اس خط کو پڑھا کرتی اور اس کے مطلب پر غور کیا کرتی۔

جب تک اصغری نئی بیاہی ہوئی رہی تو اس کا جی بہت گھبراتا تھا۔ اس واسطے دفعتہ" ماں کا گھر چھوڑ کر نئے گھر اور نئے آدمیوں میں رہنا پڑا' یہ تو کام اور انتظام کی خوگر تھی' بے شغل اس کو ایک گھڑی چین نہ تھا یا مہینوں بند کوٹھڑی میں چپ چاپ بیٹھنا پڑا۔

ماں باپ کے گھر میں جو آزادی حاصل تھی وہ باقی نہ رہی یہاں سسرال میں آتے ہی اس کی ہر ایک بات کو لوگ تاڑنے لگے۔ کوئی منہ دیکھتا ہے' کوئی چوٹی کی لمبان ناپتا ہے۔ کوئی قد کی اٹھان کو تاڑتا ہے۔ کوئی زیور ٹٹولتا ہے' کوئی کپڑے پہچانتا ہے۔ کھاتی ہے تو لقمے پر نظر ہے' نوالہ کتنا بڑا لیا ہے' منہ کتنا کھولا۔ کیوں کر چبایا' اور کس طرح نگلا۔ اٹھتی ہے تو یہ دیکھتے ہیں کہ دوپٹہ کیوں کر اوڑھا' پائینچے کس طرح اٹھائے۔ سوتی ہے تو وقت پر نگاہ ہے' کس وقت سوئی؟ کب اٹھی۔

الغرض جملہ حرکات و سکنات اس کی زیر نظر تھیں۔ ایسی حالت میں اصغری کو سخت تکلیف ہوتی تھی' لیکن از بسکہ عاقلہ اور تربیت یافتہ تھی۔ ایسے سخت امتحان میں کامل نکلی اور سب ادائیں اس کے سسرال والوں کو بھائیں

بات کی تو نہ اس قدر بہت کہ لوگ کہیں کیسی لڑکی ہے؟ چار دن کی بیاہی ہوئی نے کس بلا کی بک بک لگا رکھی ہے۔ نہ اتنی کم کہ بدمزاج اور تورے چڑھی سمجھیں' کھانا کھایا تو نہ اتنا زیادہ کہ محلے میں چرچا ہو' نہ ایسا کہ ساس نندیں سر تھکا کر بیٹھ رہیں اور یہاں اثر نہ ہو۔ سوئی تو نہ اتنا سویرے کہ چراغ میں بتی پڑی' لاڈو میری تخت چڑھی اور نہ اتنی دیر تک کہ گویا مردوں سے شرط باندھ کر سوئی تھی۔

دستور ہوتا ہے کہ نئی دلہن کو محلے کی لڑکیاں گھیرے رہا کرتی ہیں۔ اصغری کے پاس جب بھی دیکھو دس پانچ موجود' لیکن اصغری نے کسی سے خصوصیت پیدا نہ کی' اگر کوئی لڑکی تمام دن بیٹھی رہ گئی تو یہ نہ کہا کہ بوا! اپنے گھر جاؤ' اگر کوئی نہ آئی تو اس سے یہ نہ پوچھا کہ بوا! تم کہاں تھیں' کیوں نہیں آئیں؟ اصغری کے اس طرز ملاقات اور طریقہ مدارات سے رفتہ رفتہ لڑکیوں کا انبوہ کم

ہو گیا' خصوصاً" محلے کے کمینوں کی لڑکیاں تو چاٹ کی آشنا ہوتی ہے' جب انہوں نے دیکھا کہ نہ تو پان ملتا ہے نہ کچھ سودے سلف کا ذکر ہے۔ چھ سات دن میں بادی کی طرح چھٹ کر الگ ہو گئیں۔

اصغری نے پہلے محمودہ اپنی نند سے ربط بڑھایا' محمودہ لڑکی تو تھی ہی۔ تھوڑے سے التفات میں رام ہو گئی۔ دن بھر اصغری کے پاس گھسی رہا کرتی تھی' بلکہ ماں کسی وقت کہہ بھی اٹھتی کہ اس بھاوج پر اتنی مہربان کیوں ہو۔ بڑی بھاوج کے تو سائے سے تم بھاگتی پھرتی تھیں۔ محمودہ اس کا جواب دیتی کہ؟ "وہ تو ہم کو مارتی تھیں' ہماری چھوٹی بھابی جان تو ہم کو پیار کرتی ہیں۔"

"محمودہ کی ملاقات سے اصغری نے اپنا خوب کام نکالا اول تو تمام گھر کا حال بلکہ تمام کنبے اور محلے کا حال محمودہ سے پوچھ پوچھ کر معلوم کیا اور جو بات شروع میں شرم و لحاظ کے سبب خود نہ کہہ سکتی وہ محمودہ کے ذریعے سے کہا کرتی۔

اصغری نے گھر کے کام میں بتدریج اس طرح پر دخل دینا شروع کیا کہ شام کو محمودہ سے روئی منگا چراغ کی بتیاں بٹ دیا کرتی' ترکاری بنا لیتی' محمودہ کا پھٹا پرانا ادھڑا کپڑا سی دیتی' ساس اور میاں کے لیے پان بنا دیا کرتی' شدہ' شدہ باورچی خانے تک جانے اور ماما عظمت کو بھوننے بگھارنے میں صلاح دینے لگی' یہاں تک کہ اصغری کی رائے پر کھانا پکنے لگا۔

جب سے اصغری نے کھانے میں دخل دینا شروع کیا' گھر والوں نے جانا کہ کھانا بھی عجب نعمت ہے' پھر تو یہ حال ہو گیا' جس دن اصغری کسی وجہ سے ماما عظمت کی صلاح کار نہ ہوتی' کھانا پھکا پھکا پھرتا تھا۔

ساس بہوؤں کی لڑائی کچھ معمولی بات ہے؟ اصغری یوں لڑنے کے قابل نہ تھی' تو اس کا ہنر باعث فساد ہوا۔

ماما عظمت اس گھر میں ایسی دخیل کار تھی کہ کل کاموں کا مدار اس ماما پر تھا۔ سودا سلف۔ کپڑا' اناج جو کچھ بازار سے آتا سب ماما عظمت کے ہاتھوں آتا' زیور تک ماما عظمت بنوا کر لاتی۔ قرض کی ضرورت ہوتی تو ماما عظمت کی معرفت آتا غرض کہ ماما عظمت مردوں کی طرح اس گھر کی منتظم تھی' جب سے اصغری نے کھانے میں دخل دیا۔ تو ماما عظمت کا غبن ظاہر ہونے لگا۔

ایک دن پسندوں کے کباب پک رہے تھے اور اصغری باورچی خانے میں بیٹھی ہوئی ماما کو بتاتی جاتی تھی' جب گوشت پس کر تیار ہوا اور دہی مصالحہ ملنے کا وقت آیا' اصغری نے ماما سے کہا۔ "دہی مجھ کو چکھا لو کھٹا اور باسی ہو گا تو کباب بگڑ جائیں گے۔"

ماما نے دہی کا دونا نکال اصغری کے ہاتھ میں دیا' اصغری نے چکھا تو کھٹا چونا' کئی دن کا باسی' نیلا نیلا پانی الگ اور دہی کی پھٹکیاں الگ۔

اصغری نے کہا۔ "اے ہے! کیسا برا دہی ہے' یہ تو ہرگز کبابوں میں ڈالنے کے لائق نہیں' ماما جلد جاؤ اور ٹکے کا اچھا تازہ میٹھا دہی دیکھ کر لاؤ۔"

ماما نے کہا۔ "اوئی بیوی! سیر بھر گوشت کے کبابوں میں ٹکے کا دہی! اونٹ کے منہ میں زیرا کیا ہو گا' یہ دہی جو تم نے ناپسند کیا' ایک آنے کا ہے۔"

اصغری کو سن کر حیرت ہوئی اور بولی۔ "کہ ہمارے گھر تو آئے دن کباب پکتے رہا کرتے تھے' ہمیشہ سیر بھر گوشت میں ڈیڑھ پیسے کا دہی پڑتا تھا۔ اس حساب سے تو ٹکے کا میں نے زیادہ سمجھ کر منگوایا کہ کباب خوب نرم اور سرخ ہوں۔"

ماما نے کہا۔ "تم بیوی! اپنے محلے کا حساب کتاب رہنے دو بھلا کہاں چاندنی چوک اور کہاں ترکمان دروازہ جو چیز چاندنی چوک میں پیسے کی ہے وہ یہاں ایک آنے کو بھی نہیں ملتی' یہ خاک ملا محلہ تو اجڑی نگری سونا دیس ہے' سدا ہر چیز کا توڑا' ہر چیز کا قحط رہتا ہے۔"

چونکہ کھانے میں دیر ہوتی تھی' اصغری یہ سن کر چپ ہو رہی اور ماما سے کہا' "خیر جتنے کا ملتا ہو جلد لاؤ۔"

لیکن اصغری ایسی بھولی نہ تھی کہ ماما کی بات کو تسلیم کر لیتی' اپنے دل میں کہنے لگی' ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ دمڑی چھ دام کا فرق ہو تو مضائقہ نہیں' یہ غضب کہ ایک شہر کے دو محلوں میں دگنے چوگنے کا فرق' اس وقت سے اصغری بھی تاک میں ہوئی۔

اگلے دن ماما پان لائی تھی' اصغری نے دیکھ کر کہا کہ "ماما! تم تو بالکل ہرے پتے اٹھا لاتی ہو' ان میں نہ کچھ لذت ہوتی ہے' نہ کچھ مزہ ملتا ہے۔ اب تو جاڑے کی آمد ہے کرارے' پکے پکے پان ڈھونڈ کر لایا کرو۔"

ماما نے کہا۔ "پکے پان تو پیسے کے دو آتے ہیں اور یہاں اللہ رکھے آدھی ڈھولی روز کا خرچ ہے' اس خیال سے میں نئے پان لاتی ہوں۔"

اتنے میں اصغری کے گھر سے اس کی اپنی ماما کفایت نساء خیر صلاح کی خبر کو آ نکلی۔ پانوں کا تذکرہ درپیش تھا' اصغری نے اپنی ماما سے پوچھا "کیوں بی! کفایت نساء تم کو آج کل کیسے پان ملتے ہیں۔"

کفایت نساء نے کہا "بیوی! پیسے کے سولہ۔"

اصغری نے صندوقچہ کھول دو پیسے کفایت نساء کے ہاتھ دیے اور کہا۔ "اسی محلے کے پنواڑی سے پان لے آؤ۔"

کفایت نساء بڑے بڑے کرارے دل دار چالیس پان لے آئی

اصغری نے کہا۔ "چاندنی چوک کی یہ نسبت بھی پیسے پیچھے چار پان زیادہ ملے۔"

کفایت نساء نے کہا۔ "بیوی! یہ محلہ شہر کا پھاٹک ہے' جو چیز شہر میں آتی ہے' اسی دروازے سے آتی ہے۔ گوشت' اناج' پان یہ چیزیں اس محلے میں سستی ملتی ہیں' البتہ ہری ترکاری سبزی منڈی سے سیدھے کابلی دروازے ہو کر شہر میں جاتی ہے' وہ کسی قدر مہنگی ملتی ہو گی' پرانے پان چالیس ملے۔ اگر نئے لیتی تو ساٹھ ملتے۔"

اصغری نے کہا "یہ نامراد ماما عظمت تو ہر چیز میں یوں ہی آگ لگاتی ہے۔ کفایت نساء تم دو چار دن یہاں رہو' میں اماں سے کہلا بھیجوں گی وہاں کا کام دو چار دن کے لیے اور کوئی دیکھ بھال لے گا۔"

کفایت نساء نے کہا۔ "بیوی! میں حاضر ہوں' خدا نہ کرے کیا یہاں وہاں دو دو گھر ہیں۔"

غرض چار دن کفایت نساء کے ہاتھوں ہر طرح کا سودا بازار سے آیا اور ہر چیز میں ماما عظمت کا غبن ثابت ہوا' لیکن یہ سب باتیں اس طرح پر ہوئیں کہ اصغری کی ساس کو خبر تک نہ ہوئی۔ اصغری نے جانا یا کفایت نساء نے یا ماما عظمت نے۔ اس واسطے کہ اصغری بہت مروت اور لحاظ کی عورت تھی۔ اس نے سمجھا کہ اس بڑھیا ماما کو بدنام اور رسوا کرنے سے کیا فائدہ؟

رات کے وقت کھانے سے فراغت ہو کر کوٹھے پر اصغری پان کھا رہی تھی' کفایت نساء بھی پاس بیٹھی ہوئی تھی' اتنے میں ماما عظمت آئی۔ کفایت نساء نے کہا۔ "کیوں بوا عظمت؟ یہ کیا ماجرا ہے؟ چوری کون نوکر نہیں کرتا؟ دیکھو یہ گھر والی موجود ہیں' سات برس تک برابر ان کی خدمت کی گھر کا کاروبار سب یہ اٹھائے ہوئے تھیں' اللہ رکھے امیر گھر اور امیری خرچ' ہزاروں روپوں کا سودا انہیں ہاتھوں سے آیا حق دستوری یہ کیوں کر کہوں' نہیں لیا۔ اتنا لینا تو ہم نوکروں کا دھرم ہے' چاہے خدا بخشے چاہے مارے' لیکن اس سے زیادہ تو ہضم نہیں ہو سکتا' آگے بڑھ کر نمک حرامی میں داخل ہے۔"

عظمت نے کہا "بوا! میرا حال کون نہیں جانتا؟ اب میری بلا چھپائے ہاں میں تو چراتی اور لوٹتی ہوں' لیکن نہ آج سے بلکہ سدا سے میرا یہی کام ہے' ذرا میری حالت پر بھی تو نظر کرو کہ اس گھر میں کس بلا کا کام ہے؟ اندر باہر میں اکیلی' آدمی چار نوکروں کا کام میرے اکیلے دم پر پڑتا

ہے" پھر بولی بے مطلب تو کوئی اپنی ہڈیاں یوں نہیں پیلتا' بیوی کئی مرتبہ مجھ کو موقوف بھی کر چکی ہیں' پھر آخر مجھ ہی کو بلوایا۔ سمجھ کا پھیر ہے' کسی نے یوں سمجھا کسی نے ووں سمجھا۔ چار آدمی کے بدلے میں اکیلی ہوں چار کی تنخواہ بھی مجھ اکیلی کو ملنی چاہیئے۔"

اور حال اس ماما عظمت کا اس طرح پر ہے کہ یہ عورت پچیس برس سے اس گھر میں تھی اور ہمیشہ لوٹنے پر آمادہ تھی' ایک دن کی بات ہو تو چھپ چھپا جائے۔ آئے دن اس کا فریب ظاہر ہوا کرتا تھا کئی مرتبہ نکالی گئی' جب موقوف ہوئی بنئے' بزاز' سنار' قصائی' کنجڑے' جن جن سے اس کی معرفت اجاپت قرض اٹھتی تھی' تقاضے کو آ موجود ہوئے۔ اس ڈر کے مارے پھر بلا لی جاتی تھی۔ یوں چوری اور سرزوری ماما عظمت کی تقدیر میں لکھی تھی' جتا کر لیتی اور بتا کر چراتی' دکھا کر نکالتی اور لکھا کر مکر جاتی۔ گھر میں آمدنی کم اور عادتیں بگڑی ہوئی' کھانے میں امتیاز کپڑے میں تکلف' سب کارخانہ قرض پر تھا اور قرض کی آڑھت ماما عظمت کے دم سے تھی۔ کھلے خزانے کہتی تھی کہ میرا نکلنا آسان بات نہیں' گھر نیلام کرا کے نکلوں گی اینٹ سے اینٹ بجا کر جاؤں گی۔"

اصغری نے جو حساب کتاب میں روک ٹوک شروع کی تو ماما عظمت' اصغری کی جانی دشمن ہو گئی اور اس فکر میں ہوئی کہ اصغری کو محمد کامل اور اس کی ماں سے برا بنائے۔ لیکن اصغری اس ارادے سے بے خبر تھی' بلکہ اصغری نے جب دیکھا کہ ماما گھر کی مختار کل ہے' نہ اپنی عادت سے باز آئے گی نہ نکلے گی تو اپنے جی میں کہا کہ پھر ناحق کی جھک جھک سے کیا فائدہ؟ میں مفت میں ماما سے کیوں بری بنوں' باورچی خانے کا جانا اور کھانے میں دخل دینا بالکل موقوف کیا۔

گھر والوں کو تو اصغری کے ہاتھ کی چاٹ لگ گئی تھی۔ پہلے ہی وقت سے منہ بنانے لگے کوئی کہتا اے ہے گوشت منہ میں کچر کچر ہوتا ہے۔ کوئی کہتا دال میں نمک زہر ہو گیا ہے' زبان پر نہیں رکھی جاتی۔ لیکن اصغری سے کون کہہ سکتا تھا کہ تم کھانا پکاؤ' مجبور جیسا برا بھلا' ماما عظمت پکا رینده کر رکھ دیتی' کھانا پڑتا تھا۔

ایک دن برسات کے موسم میں بادل گھرا ہوا تھا' ننھی ننھی پھوار پڑ رہی تھی۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ محمد کامل نے کہا "آج تو کڑھائی کو جی چاہتا ہے۔ لیکن بشرطیکہ تمیزدار بہو اہتمام کریں۔" اصغری اوپر کوٹھے پر رہا کرتی تھی اس کو خبر نہیں کہ محمد کامل نے کڑھائی کی فرمائش کی ماما عظمت تھی' شکر' بیسن وغیرہ سامان لے آئی اور محمد کامل سے کہا۔ "صاحب زادے لیجئے سب سودا تو میں لے آئی جاؤں بہو صاحب کو بلا لاؤں" کوٹھے پر گئی تو اصغری سے کڑھائی کا کچھ تذکرہ تک

نہیں کیا اسی طرح الٹے پاؤں اتر آئی اور کہا۔ "بہو کہتی ہیں میرے سر میں درد ہے۔"

ماما عظمت سے معمولی کھانا تو پک نہیں سکتا تھا۔ کڑھائی کیا خاک پکاتی' سب چیزوں کا ستیاناس ملا کر رکھ دیا۔ کس آرزو سے محمد کامل نے فرمائش کی تھی' بدمزہ پکوان کھا کر بہت اداس ہوا۔ کوٹھے پر گیا تو بی بی کو دیکھا کہ اپنا پاجامہ سی رہی ہیں۔ جی میں ناخوش ہوا کہ ایں بیٹے کو سر میں درد نہیں اور ذرا کڑھائی کو کہا تو درد سر کا بہانہ کر دیا۔

یہ پہلی ناخوشی محمد کامل کو اصغری سے پیدا ہوئی اور دستور ہے کہ میاں بیبیوں میں بگاڑ اسی طرح کی چھوٹی چھوٹی باتوں میں پیدا ہوا کرتا ہے' ازبسکہ اکثر چھوٹی سی عمروں میں بیاہ ہو جاتا ہے۔ خدا کے فضل سے عقل مصلحت اندیش نہ میاں میں ہوتی ہے نہ بی بی میں۔ اگر ذرا سی بات بھی خلاف مزاج دیکھی تو میاں الگ اکڑے بیٹھے ہیں اور بی بی الگ منہ اوندھائے لیٹی ہیں اور جب ایک جگہ کا رہنا سہنا ہوا تو مخالفت کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا بیش تر واقع ہونا کیا تعجب ہے یہ مخالفت کثرت سے ہوتے ہوتے آپس کے اتحاد اور باہم کی موافقت میں بڑا فتور پیدا کرتی ہے اور دونوں طرف سے لحاظ اور پاس اٹھ جاتا ہے اور تمام عمر جوتیوں میں دال بٹتی رہتی ہے۔

سب سے بہتر تدبیر یہ ہے کہ میاں بی بی شروع سے اپنا معاملہ ایک دوسرے کے ساتھ صاف رکھیں اور ادنیٰ رنجش کو بھی پیدا نہ ہونے دیں ورنہ یہی چھوٹی چھوٹی رنجشیں جمع ہو کر آخر کو فساد عظیم اور بگاڑ ہو جائیں گی اور رنجش کو پیدا نہ ہونے دینے کی یہ حکمت ہے کہ جب کوئی ذرا سی بات بھی خلاف مزاج واقع ہو' اس کو دل میں نہ رکھا منہ در منہ کہہ کر صاف کر لیا۔

اگر محمد کامل میں عقل ہوتی اور وہ اس حکمت کو جانتا ہوتا تو ضرور بی بی سے بطور شکایت پوچھتا کہ کیوں صاحب؟ ذرا سا کام تم سے نہ ہو سکا اور درد سر کا جھوٹا بہانہ کر دیا۔ اسی وقت دو چار باتوں میں معاملہ طے ہو جاتا اور ماما عظمت کی فطرت کھل پڑتی۔ لیکن محمد کامل نے منہ پر مہر لگائی اور دل میں دفتر شکایت لکھ چلا۔ اصغری کو محمد کامل کی کم التفاتی سے کھٹکا ہوا اور سمجھی کہ خدا خیر کرے۔ لڑائی کا آغاز نظر آتا ہے۔ ساس کو دیکھا تو ان کو بھی مکدر پایا۔ حیرت میں تھا کہ الٰہی کیا بات ہے ابھی یہ بات طے نہ ہوئی تھی کہ ماما عظمت نے ایک وار اور چلایا۔

رمضان کا قرب تھا۔ محمد کامل کی ماں نے عظمت سے کہا "کہ ماما رمضان آتا ہے ابھی سے تیاری کر چلو برتن چھوٹے بڑے سب قلعی کرانے ہیں مکان میں برس بھر ہوا سفیدی نہیں ہوئی لالہ ہزاری مل سے کہو کہ جس طرح ہو سکے کہیں سے پچاس روپے دے کہ عید کہ خرچ سر پر چلا آتا ہے۔"

ماما عظمت بولی۔ "تمیزدار بہو اپنی ماں کے یہاں مہمان جائیں گی اور میں نے سنا ہے تحصیل دار بھی آنے والے ہیں ضرور دونوں بیٹیوں کو بلا بھیجیں گے اور میں نے ایک جگہ یہ بھی سنا ہے کہ تمیزدار بہو کا ارادہ ہے کہ اپنے باپ کے ساتھ چلی جائیں بہو جائیں گی تو چھوٹے صاحب زادے بھی جائیں گے۔ پھر بیوی تمہارا اکیلا دم ہے مکان میں سفیدی ہو کر کیا کرے گی اور برتن قلعی ہو کر کیا ہوں گے؟ ہزاری مل کم بخت تو ایسا بے مروت ہو گیا ہے کہ ہر روز تقاضے کو اس کا آدمی دروازے پر کھڑا رہتا ہے اور قرض کیوں کر دے گا۔"

محمد کامل کی ماں یہ سن کر سرد ہو گئی اور سرد ہونے کی بات تھی' میاں تو جس دن سے لاہور گئے' پھر کر گھر کی شکل نہ دیکھی' چھٹے مہینے برسویں دن جی میں آگیا تو کچھ بھیج دیا ورنہ کچھ واسطہ نہیں' محمد عاقل ماں سے الگ ہو ہی چکا تھا۔ صرف محمد کامل کا دم گھر میں تھا' اس کے گھر پیچھے مطلع صاف تھا۔

محمد کامل کی ماں نے ماما سے پوچھا۔ "اری سچ بتا! تمیزدار بہو ضرور جائیں گی۔"

ماما بولی۔ "بیوی! جانے نہ جانے کی تو خدا جانے' جو سنا تو سو کہہ دیا۔"

محمد کامل کی ماں نے پوچھا۔ "اری کم بخت کس سے سنا کیوں کر معلوم ہوا؟"

ماما بولی۔ "سننے کی جو پوچھو تو کفایت نساء سے میں نے دو روپے قرض مانگے تھے اس نے کہا۔ "میں دے تو دیتی لیکن پہاڑ پر جانے والی ہوں' تب میں نے اس سے حال پوچھا' اس سے معلوم ہوا کہ سب بات ٹھیک ٹھاک ہو چکی ہے' بس اتنی دیر ہے کہ تحصیل دار آئیں' عید کی صبح کو یہ سب لوگ روانہ ہو جائیں گے اور سننے پر کیا منحصر ہے' خدا کو دیکھا نہیں تو عقل سے پہچانا۔ بیوی! کیا تم کو تمیزدار بہو کے ڈھنگوں سے نہیں سمجھ پڑتا' دیکھو! پہلے تو بہو گھر کا کام کاج بھی دیکھتی بھالتی تھیں اب تو کوٹھے پر سے نیچے اترنا بھی قسم ہے۔ خط پر خط باپ کے نام چلے جاتے ہیں۔ سوائے جانے کے ایسا اور کون سا معاملہ ہے؟"

محمد کامل کی ماں یہ حال سن کر سناٹے میں رہ گئی اور اس سوچ میں بیٹھی تھی کہ محمد کامل باہر سے آیا۔

محمد کامل کو پاس بلا کر پوچھا کہ "کامل ایک بات پوچھتی ہوں۔ سچ سچ بتائے گا؟"

محمد کامل نے کہا۔ "اماں بھلا ایسی کون سی بات ہے جو تم سے چھپاؤں گا۔"

محمد کامل کی ماں نے جو کچھ ماما سے سنا تھا حرف بہ حرف محمد کامل سے کہا۔

محمد کامل نے کہا۔ "اماں! خدا کی قسم مجھ کو اس کی مطلق خبر نہیں نہ مجھ سے تمیزدار بہو نے

اس کا تذکرہ کیا۔"

محمد کامل کی ماں بولی۔ "چل جھوٹے! ہمیں سے باتیں بناتا ہے' اتنی بڑی بات اور تجھ کو خبر نہیں؟"

محمد کامل نے کہا۔ "تم کو تو یقین نہیں آتا تمہارے سر کی قسم مجھ کو معلوم نہیں۔"

اتنے میں ماما بھی آنکلی۔

محمد کامل کی ماں نے کہا۔ "کیوں ری عظمت کامل تو کہتا ہے مجھ کو معلوم نہیں۔"

ماما نے کہا۔ "میاں تم برا مانو یا بھلا مانو۔ تمہاری بی بی جانے کی تیاریاں تو کر رہی ہیں' تم سے شاید چھپاتی ہوں' یہ مزاج دار بہو نہ ہوں کہ ان کے پیٹ میں بات نہیں سماتی تھی یہ تمیزدار بہو ہیں کہ کسی کو اپنا بھید نہ دیں۔"

محمد کامل کی ماں نے پوچھا۔ "بھلا کامل اگر یہ بات سچ ہو تو تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

محمد کامل نے کہا۔ "بھلا یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ تم کو اکیلا چھوڑ کر چلا جاؤں گا اور تمیزدار بہو کو بھی ایسی کیا زبردستی ہے کہ بے پوچھے گچھے چلی جائیں گی اور میں آج تمیزدار بہو سے پوچھوں گا کہ کیوں جی؟ یہ کیا بات ہے؟"

محمد کامل کی ماں نے کہا۔ "اس نامراد ماما کی بات کا کیا اعتبار ہے۔ ابھی بہو سے کچھ ذکر مذکور مت کرو۔ جب بات تحقیق ہو جائے گی تو دیکھا جائے گا۔"

اس طرح کی باتوں سے ماما عظمت' اصغری کو ساس اور میاں سے برا بنانے کی فکر میں تھی اور اصغری سے ہرچند کسی نے منہ در منہ کچھ کہا سنا نہیں لیکن وہ بھی ان سب کے قیافے سے سمجھ گئی تھی کہ ضرور کچھ کشیدگی ہے۔ اصغری کے پاس محمودہ بڑی جاسوس تھی۔ ذرا ذرا سی بات اصغری سے کہتی اور ماما کی بدذاتی سب اصغری پہ کھل گئی تھی' لیکن اصغری ایسی احمق نہ تھی کہ جلد بگڑ بیٹھتی۔ وہ اس فکر میں ہوئی کہ اس معاملے میں اپنی طرف سے کچھ کہنا سننا مناسب نہیں۔ آخر کبھی نہ کبھی بات کھلے گی اس وقت دیکھا جائے گا۔

اصغری نے اپنے دل میں کہا کہ بھلا عظمت رہ تو سہی انشاء اللہ تجھ کو بھی سیدھا بناتی ہوں' اب یہاں تک تیرے مغز چل گئے ہیں کہ گھر کے گھر میں فساد ڈلواتی ہے' انشاء اللہ تجھ کو وہاں ماروں کہ پانی نہ ملے اور ایسا تجھ کو اجاڑوں کہ پھر اس محلے میں آنا نصیب نہ ہو۔

ماما عظمت کی شامت سر پر سوار تھی۔ تیسرا وار اصغری پر اور صحیح کیا۔

ہزاری مل کی تو عادت تھی کہ جب کبھی ماما عظمت کو اپنی دکان کے سامنے سے آتے جاتے

دیکھتا تو اوبدا کر چھیڑتا کہ "کیوں ماما! ہمارے حساب کتاب کی بھی کچھ فکر ہے؟" اور آٹھویں ساتویں گھر پر تقاضا کہلا بھیجتا۔

ایک دن حسب معمول ماما عظمت سودے سلف کو بازار جاتی تھی۔ ہزاری مل نے ٹوکا۔ ماما بولی۔ "اے لالہ یہ کیا تم نے مجھ سے آئے دن کی چھیڑ خانی مقرر کی ہے۔ جب مجھ کو دیکھتے ہو تقاضا کرتے ہو' جن کو دیتے ہو ان سے مانگو' ان پر تقاضا کرو' میں بے چاری غریب آدمی ٹکے کی اوقات مجھ سے اور مہاجنوں کے لین دین سے کیا واسطہ؟"

ہزاری مل نے کہا۔ "یہ بات تم نے کیا کہی؟ کہ مجھ سے واسطہ نہیں' دکان سے تو تم لے جاتی ہو ہاتھ کو ہاتھ پہچانتا ہے ہم تو تم کو جانتے ہیں اور تمہاری ساکھ پر دیتے ہیں۔ ہم گھر والوں کو کیا جانیں؟"

ماما نے کہا۔ "اے لالہ ہوش میں آؤ ایسے گھر کے بھولے میری ایسی کیا حیثیت تم نے دیکھ لی۔ میرے پاس نہ جائیداد نہ دولت اور تم نے سینکڑوں روپیہ آنکھ بند کر کے مجھ کو دے دیا اور اگر مجھ کو دیا تو جاؤ مجھ ہی سے لے بھی لینا' میرے جو محل کھڑے ہوں گے بکوا لینا۔ قلعے میں جو میری تنخواہ ہو گی بند کرا دینا۔"

ماما کی ایسی اکھڑی اکھڑی باتیں سن کر ہزاری مل بہت ست پٹایا اور ماما سے ملاوٹ کی باتیں کرنے لگا اور کہا کہ "آج تو تم کسی سے لڑ کر آئی معلوم ہوتی ہو' بتاؤ تو کیا بات ہے؟ بیوی صاحب نے کچھ کہا یا صاحبزادے کچھ خفا ہوئے؟ یہاں آؤ۔"

ادھر تو ماما سے یہ کہا اور ادھر دکان پر جو لڑکا بیٹھا تھا۔ ایک پیسہ اس کے ہاتھ دیا کہ دوڑ کر دو گلوریاں زردہ ڈلوا کر بنوا لا' جب ماما بیٹھ گئی تو پھر ہزاری مل نے ہنس کر پوچھا۔ "معلوم ہوتا ہے آج ضرور کسی سے لڑی ہو؟"

ماما نے کہا۔ "خدا نہ کرے کیوں لڑنے لگی۔ بات پر بات میں نے بھی کہہ دی بچی بات پر برا کیوں مانتے ہو؟"

ہزاری مل نے کہا۔ "یہ تو ٹھیک ہے بھوار تو مالک کے ساتھ ہے۔ پر تمہارے ہاتھوں سے ہوتا ہے یا نہیں؟ نہ ہمارے نام رقعہ نہ چٹھی تم نے مالک کے نام سے جو مانگا سو دیا۔"

ماما نے کہا' ہاں یوں رہو اس سے میں کب مکرتی ہوں جو لے گئی ہوں ہزار دل میں کہہ دوں لاکھوں میں کہہ دوں اور ہماری بیوی بھی (ردئیں روئیں سے دعا نکلتی ہے) ۔بے چاری کبھی تکرار نہیں کرتیں۔"

ہزاری مل بولا۔ "ماما بیگم صاحب تو حقیقت میں بڑی امیر ہیں' واہ کیا بات ہے۔" پھر ہزاری مل نے آہستہ سے پوچھا "چھوٹی بہو صاحب کا کیا حال ہے؟ کیسی ہیں اپنی بڑی بہن کے پرتو پر ہیں یا اور طرح کا مزاج ہے؟"

ماما نے کہا۔ "لالہ کچھ نہ پوچھو۔ بئی تو امیر گھر کی ہیں پر دل کی بڑی تنگ ہیں دمڑی کا سودا بھی جب تک چار مرتبہ پھیر نہ لیں پسند نہیں آتا ہے' ہاں خدا رکھے ہنر سلیقہ تو دنیا کی بہو بیٹیوں سے بڑھ چڑھ کر ہے' کھلتا عمدہ سے عمدہ سینے میں درزیوں اور مغلانیوں کو مات کیا ہے۔ لیکن لالہ امیری کی بات نہیں اول اول مجھ پر بھی روک ٹوک شروع کی تھی۔ لالہ تم جانتے ہو میرا کام کیسا بے لاگ ہوتا ہے۔ آخر کو تھک کر بیٹھ رہیں بیگم صاحب تو اولیاء آدمی ہیں اور انہیں کے دم قدم کی برکت سے گھر چلتا ہے۔ ہم غریب بھی انہیں کا دامن پکڑے ہوئے ہیں۔ بہتیرا لوگوں نے بیگم صاحب کو بھڑکایا لیکن خدا سلامت رکھے انہیں کے دل پر میل نہ آیا اور کسی طرح کا کلام انہوں نے منہ پر نہ رکھا۔"

ہزاری مل نے کہا۔ "سنا ہے چھوٹی بہو صاحب کو بڑا بھاری جہیز ملا؟"

ماما نے چھوٹتے ہی کہا۔ "خاک بڑی سے بھی اترتا ہوا۔"

ہزاری مل نے کہا۔ "بڑا تعجب ہے ان کے بیاہ کے وقت تو خاں صاحب تحصیل دار تھے' بڑی بیٹی سے زیادہ دینا لازم تھا۔"

ماما نے کہا۔ "اے ہے تحصیل دار کا کچھ دوش نہیں اس بے چارے نے تو بڑی تیاریاں کی تھیں۔ یہ چھوٹی کھوٹی منہ بولی تھیں ماں باپ کی خیر خواہی کے مارے کہہ کہہ کر سب چیزیں کم کر آئیں۔"

ہزاری مل نے کہا۔ "اگر یہی ہال ہے تو بڑی بہن کی طرح یہ بھی الگ گھر کریں گی۔"

ماما نے کہا "الگ گھر کرنا کیسا یہ تو بڑے گل کھلائیں گی بڑی بہو بدمزاج تھیں۔ لیکن دل کی صاف اور یہ زبان کی میٹھی اور دل کی کھوٹی کوئی کیسا ہی جان مار کر کام کرے ان کی خاطر تلے نہیں آتا' بات بھی کہیں گی تو تہ کی منہ پر کچھ اور دل میں کچھ نا بابا! یہ عورت ایک دن نباہ کرنے والی نہیں۔ اب تو پہاڑ پر باپ کے پاس جانے کی تیاریاں کر رہی ہیں۔"

ہزاری مل نے پوچھا۔ "لاہور سے ان دنوں کوئی خط آیا ہے؟"

ماما نے کہا۔ "ہر روز انتظار رہتا ہے نہیں معلوم کیا سبب ہے کوئی خط نہیں آیا بیوی خرچ کی راہ دیکھ رہی ہیں' رمضان سر پر آ رہا ہے بلکہ پرسوں ترسوں مجھ سے کہتی تھیں ہزاری مل سے

پچاس روپے قرض لانا"

ہزاری مل قرض کا نام سن کر چونک پڑا اور کہا۔ "پہلے روپے کی راہ لگا دیں۔ آگے کو کیا انکار ہے؟ اب میرے ساجھی نہیں مانتے۔ ماما بیگم صاحب سے خوب طرح پر سمجھا کر کہہ دینا کہ جہاں سے بن پڑے روپے ادا کریں، ورنہ مجھ پر الزام نہیں۔"

ماما نے کہا۔ "تمہارا روپیہ خدا ہی نکلوائے گا تو نکلے گا۔ بیگم صاحب کہاں سے دیں گی۔ بال بال تو قرض دار ہو رہی ہیں۔ مولوی الگ جان کھاتا ہے بزاز جدا غل مچاتا ہے۔"

ہزاری مل نے کہا۔ "مجھ کو دوسرے قرض خواہوں سے کیا واسطہ؟ ہماری دکان کا حساب تو بیگم صاحب کو بے باق کرنا ہی پڑے گا، میں تو بیگم صاحب کی سرکار کا بڑا لحاظ کرتا ہوں، لیکن میرا ساجھی چھدامی لال تو نہیں مانتا وہ اگر یہ حال سن پائے تو آج نالش کر دے۔"

ماما نے کہا۔ "یہ سب حال بیگم صاحب سے کہہ بھر میں دوں گی، لیکن گھر کا ذرا ذرا حال مجھ کو معلوم ہے نالش کرو یا فریاد کرو نہ روپیہ ہے نہ دینے کی گنجائش۔ روپیہ ہوتا تو قرض کیوں لیا جاتا؟"

اتنی باتوں کے بعد ماما عظمت ہزاری مل سے رخصت ہو سودا سلف لے کر گھر میں آئی تو محمد کامل کی ماں نے پوچھا۔ "ماما تو بازار جاتی ہے تو ایسی بے فکر ہو جاتی ہے۔ کہ کھانے پکانے کا کچھ خیال تجھ کو نہیں رہتا، دیکھ تو کتنا دن چڑھا ہے۔ اب کس وقت گوشت چڑھے گا۔ کب پکے گا؟ کب کھانا ملے گا؟"

ماما نے کہا۔ "بی بی موئے ہزاری مل کے جھگڑے میں اتنی دیر ہو گئی وہ جان ہار ہر روز مجھ کو آتے جاتے ٹوکا کرتا ہے۔ آج میری جان جل گئی اور میں نے کہا کہ کیا تو نے مجھ سے روز کی چھیڑ خانی مقرر کی ہے۔ کیوں مرا جاتا ہے ذرا صبر کر لاہور سے خرچ آنے دے تو تیرا اگلا پچھلا سب حساب کتاب بے باق ہو جائے گا۔ وہ موا تو میرے سر پر ہو گیا اور بھرے بازار میں مجھ کو فضیحت کرنے لگا۔"

محمد کامل کی ماں نے کہا۔ "ہزاری مل کو کیا ہو گیا ہے۔ وہ تو ایسا نہ تھا آخر برسوں سے ہمارا اس کا لین دین ہے سویرے بھی دیا ہے دیر کر بھی دیا ہے، کبھی اس نے تکرار نہیں کی۔"

ماما نے کہا۔ "بیوی کوئی اور مہاجن دکان میں ساجھی ہوا ہے اس موئے نے جلدی مچا رکھی ہے۔ جس جس پر لینا تھا سب سے کھڑے کھڑے وصول کر لیا۔ جس نے نہیں دیا نالش کر دی ہزاری مل نے کہا ہے کہ بیگم صاحب سے بہت بہت ہاتھ جوڑ کر میری طرف سے کہہ دینا کہ میرا

اس میں کچھ بس نہیں۔ جس طرح ہو سکے دو چار دن میں روپے کی راہ لگا دیں ورنہ چھدامی لال ضرور نالش کر دے گا۔"

اس خبر کے سننے سے محمد کامل کی ماں کو سخت تردد پیدا ہوا۔ امیر بیگم ان کی چھوٹی بہن' خانم کے بازار میں رہی تھی اور وہ ذرا خوش حال تھی۔ محمد کامل کی ماں نے ماما عظمت سے کہا۔ "کہ ماما لاہور سے تو جواب خط تک نہیں آتا خرچ کی کیا امید ہے۔ اگر بیچ ہزاری مل نے نالش کر دی تو کیا ہو گا؟ میرے پاس تو اتنا اثاثہ بھی نہیں کہ بیچ کر ادا کر دوں گی اور نالش ہوئے پر دنیا بھی بے عزتی ہے۔ نام تو تمام شہر میں بد ہو گا۔ ڈولی لے آؤ میں امیر بیگم کے پاس جاتی ہوں دیکھوں اگر وہاں کوئی صورت نکل آئے۔"

ماما بولی۔ "بیوی نالش تو ہوئی رکھی ہے جس نے منہ سے کہا اس کو کرتے کیا دیر لگتی ہے اور چھوٹی بیگم صاحب بے چاری کے پاس کہاں سے روپیہ آیا وہ تو ان دنوں خود حیران ہیں۔"

محمد کامل کی ماں نے کہا۔ "آخر پھر کچھ کرنا تو پڑے گا؟"

ماما نے پاس جا کر چپکے سے کہا۔ کہ "مہینے بھر کے واسطے تیزدار بہو اپنے کڑے دے دیتیں تو بات رہ جاتی' بالفعل ان کڑوں کو گروی رکھ کر آدھے تہائی ہزاری مل کے بھگت جاتے مہینے بھر میں یا تو میاں خرچ بھیج دیتے یا میں کسی اور مہاجن سے لے آتی۔"

محمد کامل کی ماں نے کہا۔ "اری تو کیا دیوانی ہوئی ہے خبردار ایسی بات منہ سے بھی مت نکالنا' اگر رہنے کا مکان تک بھی بک جائے تو مجھ کو منظور ہے لیکن بہو سے کہنے کا منہ نہیں۔"

ماما نے کہا۔ "بیوی میں نے تو اس خیال سے کہا کہ بہو ہوئی بیٹی ہوئی' کچھ غیر نہیں ہوتیں اور کیا خدا نہ کرے بیچ ڈالنے کی نیت ہے' مہینے بھر کا واسطہ ہے۔ چیز صندوقچے میں نہ پڑے رہے مہاجن کے پاس رکھی رہی جس میں اس کی خاطر جمع رہے۔"

محمد کامل کی ماں نے کہا۔ "پھر بھی بہو بیٹی میں بڑا فرق ہوتا ہے اور نئی بیاہی ہوئی سے بھلا کوئی ایسی بات کہہ سکتا ہے۔ دیکھو خبردار! پھر زبان سے یہ بات مت نکالیو ایسا نہ ہو محمودہ کے کان پڑ جائے اور وہ بہو سے جا لگائے۔"

ماما نے کہا۔ "صاحبزادی ابھی کھڑی سن رہی تھیں مگر وہ بچہ ہیں ابھی ان کو ان باتوں کی سمجھ نہیں۔"

محمد کامل کی ماں نے کہا۔ "ڈولی لے آؤ میں بہن تک جاؤں تو سہی پھر جیسی صلاح ٹھہرے گی دیکھا جائے گا۔"

محمد کامل کی ماں تو سوار ہو خانم کے بازار کو سدھاریں اور محمودہ نے سب حال تمیزدار کو جا سنایا۔

اصغری کو اور کچھ تو نہ سوجھی، فوراً اپنے بڑے بھائی خیر اندیش خاں کو یہ خط لکھا۔

جناب برادر صاحب معظم مکرم سلامت!

تسلیمات کے بعد مطلب ضروری عرض کرتی ہوں کہ مدت سے میں نے اپنا حال آپ کو نہیں لکھا، اس واسطے کہ جو عریضہ جناب والد صاحب کی خدمت میں بھیجتی ہوں وہ آپ کی نظر سے بھی ضرور گزرتا ہو گا۔

اب ایک خاص بات ایسی پیش آئی ہے کہ اس کو میں آپ ہی کی خدمت میں عرض کرنا مناسب سمجھتی ہوں، وہ یہ ہے کہ جب سے میں سسرال آئی کسی طرح کی تکلیف مجھ کو نہیں پہنچی اور بڑی آپا کو جن باتوں کی شکایت رہا کرتی تھی، آپ کی دعا سے وہ باتیں میرے ساتھ نہیں۔ سب لوگ مجھ سے محبت کرتے ہیں اور میں خوش رہتی ہوں۔ ایک ماما عظمت کے ہاتھوں سے وہ ایذا ہے جو کسی بدمزاج ساس اور بدزبان نند سے بھی نہ ہوتی۔ یہ عورت اس گھر کی پرانی ماما ہے اور اندر باہر کا سب کام اسی کے ہاتھوں میں ہے اس عورت نے گھر کو لوٹ کر خاک سیاہ کر دیا۔ اب اتنا قرض ہو گیا ہے کہ اس کے ادا ہونے کا سامان نظر نہیں آتا کسی طرح کا بندوبست گھر میں نہیں ہے۔ میں نے چند روز معمولی کاروبار خانہ داری میں دخل دیا تھا تو ہر چیز میں غبن ہر بات میں فریب پایا گیا۔ میری روک ٹوک سے ماما میری دشمن ہو گئی اور اس دن سے ہر روز تازہ فساد کھڑا کیے رہتی ہے۔

اب تک ہر چند کوئی قباحت کی بات پیدا نہیں ہوئی۔ لیکن اس ماما کا رہنا مجھ کو سخت ناگوار ہے۔ مگر اس کا نکلنا بھی بہت دشوار ہے۔ تمام بازار کا قرض اسی کی معرفت ہے، موقوفی کا نام بھی سن پائے تو قرض خواہوں کو جا بھڑکائے پھر قرض کا نہ حساب ہے نہ کتاب ہے۔ زبانی تکوں پر سب لینا دینا ہو رہا ہے میں چاہتی ہوں کہ سب لوگوں کا حساب کتاب ہو کر لکھا پڑھی ہو جائے اور بقدر مناسب ہر ایک کی قسط مقرر کر دی جائے اور قرض لینے کا دستور آئندہ کے واسطے موقوف ہو اور ماما نکال دی جائے۔

یقین ہے کہ جناب والد صاحب کے ساتھ آپ بھی رمضان میں تشریف لائیں، میں چاہتی ہوں کہ آپ مہربانی فرما کر لاہور ہو کر آئیے اور ابا جان[1] کو جس طرح بن پڑے کم سے کم دو ہفتے کے واسطے اپنے ساتھ بلوا لائیے۔ آپ سب لوگوں کے سامنے یہ سب معاملہ بخوبی طے ہو جائے

---

[1] ابا جان۔ خسر

میں اس خط کو سخت تشویش کی حالت میں لکھ رہی ہوں' کوئی مہاجن آمادہ نالش ہے۔ ماما نے صلاح دی ہے کہ میرے کپڑے گروی رکھے جائیں اماں جان روپے کے بندوبست کے واسطے اسی وقت خالہ جان کے پاس گئی ہیں۔

فقط

ادھر تو اصغری نے بھائی کو خط لکھا اور ادھر اپنی خالہ سے کہلا بھیجا کہ میں اکیلی ہوں بوا تماشا خانم کو دو دن کے واسطے بھیج دیجئے میں نے سنا ہے وہ آپ کے ہاں مہمان آئی ہوئی ہیں۔

غرض شاموں شام بی تماشا خانم آ پہنچیں' ڈولی سے اترتے ہی پکاریں۔ "اللہ بی اصغری! ایسا بھی کوئی بے مروت نہ ہو میں نے خالو ابا کا خط تم سے منگوا بھیجا تھا تم نے نہ دیا۔

اصغری نے کہا۔ "اوئی کون مانگنے آیا؟"

تماشا خانم بولی۔ "دیکھو یہی ماما عظمت موجود ہیں کیوں بی اس جمعہ کو تم ہمارے گھر گئی تھیں میں نے تم سے کہہ دیا تھا یا نہیں؟" عظمت بولی۔ ہاں بی "انہوں نے تو کہا تھا مجھ کم بخت کو بات یاد نہیں رہتی۔ یہاں آنے تک گھر کے دھندے میں بھول گئی۔"

اصغری نے آہستہ سے کہا۔ "ہاں تم کو تو لوٹنا اور فسلو ڈلوانا یاد رہتا ہے اور تماشا خانم سے کہا خط موجود ہے اور ایک اور نئی کتاب بھی آئی ہے بڑے مزے کی باتیں اس میں ہیں' وہ بھی تم لیتی جانا۔"

اصغری نے ماما کا سب حال ذرا ذرا تماشا خانم سے کہا۔

تماشا خانم مزاج کی بڑی تیز تھی اسی وقت جوتی لے کر اٹھی اور ماما کو مارنے چلی اصغری نے ہاتھ پکڑ کر بٹھالیا اور کہا۔ "خدا کے لیے آپا ایسا غضب مت کرنا' ابھی جلدی مت کرو سب بات بگڑ جائے گی۔"

تماشا خانم نے کہا۔ "تم یوں ہی پس و پیش لگا کر اپنا وقار کھوتی ہو بوا اگر میں تمہاری جگہ ہوتی خدا کی قسم مردار کو مارے جوتیوں کے ایسا سیدھا بناتی کہ عمر بھر یاد رکھتی۔"

اصغری نے کہا۔ "دیکھو انشاء اللہ اس نمک حرام پر خدا کی مار پڑے گی' کوئی دن کی دیر ہے"

اس کے بعد تماشا خانم نے پوچھا۔ "تمہاری ساس اپنی بہن کے یہاں کس غرض سے گئی ہیں؟"

اصغری نے کہا "وہ بے چاری بھی اسی نامراد ماما کے ہاتھوں سے دربدر ماری ماری پھرتی ہیں'

کوئی مہاجن ہے اس کا کچھ دینا ہے ماما نے آج آکر کہا تھا کہ وہ نالش کرنے والا ہے اس کے روپے کی فکر میں گئی ہے۔"

تماشا خانم نے پوچھا۔ "کون سا مہاجن نالش کرنے والا ہے؟"

اصغری نے کہا۔ "نام تو میں نہیں جانتی۔"

تماشا خانم نے ماما سے پوچھا "عظمت کون مہاجن ہے؟"

عظمت نے کہا۔ "بیوی ہزاری مل۔"

تماشا خان نے کہا۔ "وہی ہزاری مل نا جس کی دکان جوہری بازار میں ہے؟"

عظمت نے کہا "ہاں بیوی ہاں وہی ہزاری مل۔"

تماشا خانم نے کہا۔ "اس سے تو ہماری سسرال میں بھی لین دین ہے۔ بھلا کیا موئے کی طاقت ہے جو نالش کرے گا میں یہاں سے جا کر تمہارے بھائی جان سے کہوں گی دیکھو تو کیسا ٹھیک بناتے ہیں۔"

دو دن تماشا خانم اصغری کے پاس رہی، تیسرے دن رخصت ہوئی اور چلتے چلتے کہہ گئی کہ بوا اصغری تم کو میرے سر کی قسم جب تمہارے سسرے آویں اور یہ سب معاملہ مقدمہ پیش ہو مجھ کو ضرور بلوانا اور عظمت کو مجھے حوالے کر دینا۔"

وہاں محمد کامل کی ماں کو ان کی بہن نے ٹھہرا لیا کہ اے ہے آپا کبھی کبھار تو تم آتی ہو بھلا ایک ہفتہ تو رہو۔ لیکن آدمی ہر روز یہاں تمیزدار بہو کی خبر کو آتا تھا۔

ماما عظمت نے بیٹھے بٹھائے ایک اور شرارت کی۔

ان دونوں لاٹ صاحب کی آمد آمد تھی، شہر کی صفائی کے واسطے حاکم کی طرف سے بہت تاکید ہوئی ہر محلے اور کوچے میں اشتہار لگائے گئے کہ سب لوگ اپنے اپنے کوچے اور گلیاں صاف کریں۔ دروازوں پر سفیدی کرالیں۔ بدروئیں صاف رکھیں اگر کسی جگہ کوڑا پڑا ملے گا تو مکان نیلام ہو جائے گا۔

اسی مضمون کا ایک اشتہار اس محلے کے پھاٹک پر لگایا گیا۔ ماما عظمت رات کو جا کر محلے کے پھاٹک سے وہ اشتہار اکھاڑ لائی اور چپکے سے اپنے دروازے پر لگا دیا۔ پھر اندھیرے منہ خانم کے بازار میں محمد کامل کی ماں سے خبر کرنے دوڑی گئی، ابھی مکان کے کواڑ بھی نہیں کھلے تھے کہ اس نے آواز دی محمد کامل کی ماں نے آواز پہچانی اور کہا کہ "ارے دوڑو کواڑ کھولو عظمت ایسے ناوقت کیوں بھاگی آئی ہے؟"

عظمت سامنے گئی تو پوچھا۔ "ماما خیرت ہے؟"

عظمت بولی۔ "بیوی مکان پر اشتہار یا شتار (اشتہار) کیا ہوتا ہے لگا ہوا ہے معلوم ہوتا ہے کہ ہزاری مل نے نالش کر دی۔"

محمد کامل کی ماں نے اپنی بہن سے کہا۔ "لو بوا میں تو جاتی ہوں جاؤں ہزاری مل کو بلواؤں گی اور سمجھاؤں گی خدا اس کے دل میں رحم ڈالے۔"

بہن بولی "آپا میں بہت شرمندہ ہوں کہ مجھ سے روپے کا بندوبست نہ ہو سکا۔ لیکن میرے گلے کا توڑا موجود ہے اس کو لیتی جاؤ گروی رکھنے کام نکلے تو خیر ورنہ بیچ ڈالنا۔"

محمد کامل کی ماں نے کہا۔ "خیر توڑا میں لیے جاتی ہوں مگر اس کا روپیہ بہت بڑھ گیا ہے ایک توڑے سے کیا ہو گا؟"

بہن بولی۔ "کہ آخر انہوں نے بھی تو کہا ہے کہ میں کسی دوسرے مہاجن سے قرض لا دوں گا۔ تم بسم اللہ کر کے سوار ہو۔ وہ آتے ہیں تو میں ان کو بھی پیچھے سے بھیجتی ہوں۔"

غرض محمد کامل کی ماں مکان پر پہنچی۔ دروازے پر اتری تو اشتہار لگا دیکھا' افسوس کی حالت میں چپ آکر بیٹھ گئی۔ ساس کی آمد سن کر اصغری کوٹھے پر سے اتری سلام کیا۔

ساس کو مغموم دیکھ کر پوچھا۔ "آج اماں جان تمہارا چہرہ بہت اداس ہے۔"

ساس نے کہا۔ "ہاں مہاجن نے نالش کر دی ہے۔ روپے کی صورت کہیں سے نہیں بن پڑتی امیر بیگم نے بھی جواب دیا۔ اور مکان پر اشتہار لگ چکا دیکھئے کیا ہوتا ہے۔"

اصغری نے کہا۔ "آپ ہرگز اس کی فکر نہ کیجئے اگر ہزاری مل نے نالش کر دی ہے تو کچھ حرج نہیں تماشا خانم کی سسرال میں اس کا لین دین ہے' تماشا خانم نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ میں ہزاری مل کو سمجھا دوں گی اور اگر نہیں مانے گا تو اس کے روپے کی کچھ سبیل ہو جائے گی رنج کرنے سے کیا حاصل؟"

ساس نے کہا۔ "کامل ہوتا تو میں اس کو ہزاری مل تک بھیجتی۔"

اصغری بولی۔ "یوں آپ کو اختیار ہے۔ لیکن میرے نزدیک مہاجن سے ڈرنا کسی طرح مناسب نہیں' ورنہ اس کو آئندہ کے واسطے دلیری ہو جائے گی اور آئے دن نالش کا ڈراوا دکھایا کرے گا۔ سب سے بہتر یہ ہے کہ ادھر کا اشارہ نہ ہو اور باہر سے کوئی دباؤ اس پر پڑ جائے کہ وہ نالش کی پیروی سے باز رہے۔"

محمد کامل کی ماں نے کہا۔ "تماشا خانم ابھی لڑکی ہیں' کچہری دربار کی باتیں وہ کیا جانیں ایسا نہ

ہو ان کے بھروسے میں کام بگڑ جائے اور قابو ہاتھ سے نکل جائے۔"

اصغری نے کہا۔ "تماشا خانم بے شک لڑکی ہیں۔ مگر میں نے بات خوب پکی کر لی ہے' اور مجھ کو اطمینان ہے۔"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ میاں مسلم نے دروازے پر آواز دی اصغری نے کہا "دیکھیے مسلم آیا ضرور اس معاملے میں کچھ خبر لایا ہو گا" اصغری نے محمودہ کو اشارہ کیا محمودہ کوٹھڑی میں چلی گئی مسلم کو اندر بلایا اور پوچھا "مسلم کیا خبر لائے؟"

مسلم نے کہا۔ "آپا نے تم کو سلام کہا ہے اور مزاج کا حال پوچھا ہے اور کہا ہے کہ ہزاری مل کو بلوایا تھا بہت کچھ ڈرا اور دھمکا دیا ہے اور اس نے وعدہ کر لیا ہے کہ نالش نہ ہو گی۔"

یہ بات سن کر محمد کامل کی ماں کو کسی قدر تسلی ہوئی۔ لیکن اصغری حیرت میں تھی کہ تماشا خانم نے تو یہ کہلا بھیجا ہے اور ہزار مل نالش کر بیٹھا یہ کیا بات ہے اور اشتہار کا معاملہ بھی عجب ہے۔ میں گھر میں بیٹھی کی بیٹھی رہی مجھ کو خبر نہیں۔ حاکم کا اشتہار ہوتا تو کوئی چپڑاسی' پیادہ پکارتا آواز دیتا۔

مسلم رخصت ہوا تو محمودہ سے اصغری نے کہا۔ "جاؤ دروازے پر جو کاغذ لگا ہوا ہے اس کو چپکے سے اکھاڑ لاؤ۔"

محمودہ کاغذ اکھاڑ لائی۔ اصغری نے پڑھا تو صفائی کا حکم تھا نالش کا کچھ مذکور نہ تھا سمجھ گئی کہ یہ بھی اس عظمت کی چالاکی ہے۔ ساس پر تو یہ حال ظاہر نہ کیا' لیکن ان کا اطمینان اچھی طرح کر دیا کہ آپ دل جمعی سے بیٹھی رہیے نالش کا کچھ ڈر نہیں ہے۔

ساس نے کہا۔ "تمہارے کہنے سے نالش کی طرف سے دل جمعی ہوئی لیکن شب برات اور رمضان سر پر چلا آتا ہے دونوں تہواروں میں خرچ ہی خرچ ہے لاہور سے خط آنا بھی موقوف ہے۔ اس کا فکر تو میرا لہو خشک کیے ڈالتا ہے۔"

اصغری نے کہا۔ "رمضان کے تو ابھی بہت دن پڑے ہیں' خدا مسبب الاسباب ہے۔ اس وقت تک غیب سے کوئی سامان پیدا ہو جائے گا۔ ہاں شب برات کے چار ہی دن رہ گئے۔ سو شب برات کوئی ایسا تہوار نہیں جس میں بہت خرچ درکار ہو۔"

ساس نے کہا۔ "میرے گھر تو سال در سال شب برات میں بیس روپیہ اٹھتا ہے پوچھو یہ عظمت خرچ کرنے والی موجود ہے۔"

اصغری نے کہا۔ "خرچ کرنے کا کیا عجب ہے لیکن ایک ضرورت کے واسطے اور ایک بے

ضرورت سو شب برات میں کوئی ایسی ضرورت نہیں۔ جس کے واسطے اتنا روپیہ درکار ہو۔"

ساس نے کہا۔ "بوا پیر' پیغمبر' بڑے بزرگوں کی فاتحہ مقدم ہے۔ پھر لوگوں کے گھر بھیجنا بھجوانا ضرور ہے۔ لو کہنے کو ذرا سی بات ہے پانچ روپے ہوں تو اصل خیر سے تمہارے میاں اور بی محمودہ کے واسطے انار پٹاخے ہوں۔ محمد کامل کا بیاہ ہو گیا تو کیا ہے خدا رکھے اس کے مزاج میں تو ابھی تو بچپن کی باتیں چلی جاتی ہیں۔ جب تک سو انار' بیس گڈی پٹاخے نہ لے چکے گا میری جان کھا جائے گا اور محمودہ بھی رو رو کر اپنا برا حال کر لے گی۔"

اصغری نے کہا۔ "فاتحہ کے واسطے پانچ سیر کا مٹھا بہت ہو گا۔ بھیجنا بھجوانا تو ادھر سے آیا اور ادھر گیا اور محمودہ اب پٹاخوں کے واسطے ضد نہیں کریں گی' ان کو[1] سمجھا لوں گی غرض شب برات کا اہتمام میں جس طرح ہو سکے گا کر لوں گی میرا ذمہ اس کے واسطے آپ قرض کی فکر نہ کیجئے۔"

ساس سے تو یہ باتیں ہوئیں لیکن اصغری سوچ میں تھی کہ میاں کو انار پٹاخوں سے کس طرح باز رکھے آخر کار اس حکمت سے اصغری نے میاں کو سمجھایا کہ بات بھی کہہ گزری اور میاں کو ناگوار بھی نہ ہوا۔

محمد کامل کے سامنے چھیڑ کر محمودہ سے پوچھا "کیوں بوا؟ تم نے شب برات کے واسطے کیا فکر کی؟"

محمودہ بولی۔ "بھائی جب انار پٹاخے لائیں گے ہم کو بھی دیں گے۔"

ابھی محمد کامل کچھ کہنے نہ پایا تھا کہ اصغری نے کہا۔ "بھائی تو ایسی واہیات چیز تمہارے واسطے کیوں لانے لگے؟ محمودہ انار پٹاخوں میں کیا مزہ ہوتا ہے"

محمودہ نے کہا۔ "بھائی جان جب انار چھوٹتے ہیں تو کیسی بہار ہوتی ہے؟"

اصغری نے کہا۔ "محلے میں سینکڑوں انار چھوٹیں گے' کوٹھے پر سے تم بھی دیکھ لینا۔"

محمودہ نے کہا۔ "واہ ہم نہ چھوڑیں؟"

اصغری نے کہا۔ "تم کو ڈر نہیں لگتا؟"

محمودہ بولی۔ "میں کیا اپنے ہاتھ سے چھوڑتی ہوں؟"

اصغری نے کہا۔ "پھر جس طرح تم نے اپنے انار چھوٹتے دیکھے' ویسے ہی محلے کا اور محمودہ سنو یہ بہت برا کھیل ہے۔ اس میں جل جانے کا خوف ہے ایک مرتبہ ہمارے محلے میں ایک لڑکے کے ہاتھ میں انار پھٹ گیا تھا دونوں آنکھیں پھوٹ کر چھوٹ ہو گئیں اس کو دیکھنا بھی ہو تو دور سے اور محمودہ تم اماں جان کا حال دیکھتی ہو' اداس ہیں یا نہیں؟"

---

[1] اپنے شوہر محمد کامل کی طرف اشارہ ہے۔

محمودہ نے کہا۔ "اداس تو ہیں"۔

اصغری نے پوچھا۔ "کبھی تم نے یہ بھی غور کیا کہ کیوں اداس ہیں؟"

محمودہ نے کہا۔ "یہ تو معلوم نہیں۔"

اصغری بولی۔ "واہ اسی پر تم کہتی ہو کہ میں اماں کو بہت چاہتی ہوں؟"

محمودہ نے پوچھا۔ "اچھی بھائی جان اماں کیوں اداس ہیں؟"

اصغری نے کہا۔ "خرچ کی تنگی ہے۔ مہاجن قرض نہیں دیتا۔ اس سوچ میں ہیں کہ محمودہ اناروں کے واسطے ضد کرے گی تو کہاں سے منگا کر دوں گی؟"

محمودہ نے کہا۔ "ہم تو انار نہیں منگائیں گے۔"

اصغری نے کہا۔ "شاباش شاباش تم بہت پیاری بہن ہو۔" اور محمودہ کو گلے سے لگا کر پیار کیا۔

محمد کامل چپ بیٹھا ہوا یہ سب باتیں سنتا رہا چونکہ معقول بات تھی اس کے دل نے قبول کر لی اور اسی وقت نیچے اتر کر ماں کے پاس گیا اور کہا۔ "اماں میں نے سنا ہے تم شب برات کی سوچ میں بیٹھی ہو تو بی میری فکر مت کرو مجھ کو انار پٹاخے درکار نہیں اور محمودہ بھی کہتی ہے کہ میں نہیں منگاؤں گی۔"

غرض خرچ کی ایک رقم تو یوں کم ہوئی فاتحہ کے واسطے دو روپے میں خاصا میٹھا بن گیا بھیجنے کے واسطے اصغری نے خود اہتمام کیا۔ جب باہر سے حصہ آیا گھر میں نہ ٹھہرنے دیا۔ دے کر آدمی باہر نکلا اور اس نے کہا فلانی جگہ یہ حصہ پہنچا دو، جس جس کو دینا تھا سب کو نام بنام پہنچ گیا اور دو روپے میں مزے کی شب برات ہو گئی۔

عظمت یہ بندوبست دیکھ کر جل گئی۔ اس واسطے کہ اس کی بڑی رقم ماری گئی جتنا باہر سے آتا وہ سب لیتی اور جو گھر سے جاتا آدھا اس میں سے نکالتی اور شب برات کا حلوہ جو خشک رکھتی تھی مہینوں پنجیری کی طرح پھانکتی۔

شب برات کے بعد اصغری کے باپ کی آمد شروع ہوئی اور نو دس دن بات کی بات میں گزر گئے۔ رمضان سے چار دن پہلے دور اندیش خاں صاحب دہلی میں داخل ہوئے۔ اصغری نے پہلے سے اپنے باپ کی آمد سنا رکھی تھی اور ساس اور میاں سے ٹھہر گیا تھا کہ جس دن تحصیل دار صاحب آئیں گے اسی دن میں ان سے ملنے جاؤں گی جب اصغری کو باپ کے آنے کی خبر معلوم ہوئی فوراً ڈولی منگا جا پہنچیں۔ باپ نے گلے سے لگا لیا اور آب دیدہ ہوئے دیر تک حال پوچھتے

بتاتے رہے اور اصغری سے کہا۔ "آپ کے حکم کے بموجب خیر اندیش خاں لاہور گئے ہیں اور انشاء اللہ کل یا پرسوں سمدھی صاحب کو لے کر داخل ہوں گے' ان کا ایک خط بھی مجھ کو راہ میں ملا تھا۔ سمدھی صاحب کو رخصت مل گئی ہے۔"

غرض رات بھر اور اگلے دن بھر اصغری اپنی ماں کے یہاں رہی اور شام کے قریب باپ سے کہا۔ "اگر اجازت فرمائیے تو آج میں چلی جاؤں۔"

باپ نے کہا۔ "ابھی ایک ہفتہ تو رہو۔ ہم سمدھن کو کہلا بھیجیں گے۔"

اصغری نے کہا۔ "جیسا آپ ارشاد فرمائیں میں تعمیل کروں' لیکن ابا جان کے آنے سے پہلے گھر میں میرا موجود رہنا مصلحت معلوم ہوتا ہے۔"

باپ نے سوچ سمجھ کر کہا۔ "ہاں یہ بات تو ٹھیک ہے"

غرض اصغری باپ سے رخصت ہو مغرب سے پہلے گھر آموجود ہوئی۔ اگلے دن عین کھانے کے وقت مولوی محمد فاضل صاحب' محمد کامل کے باپ بھی یکایک آموجود ہوئے۔

یہ مولوی صاحب لاہور کے رئیس کی سرکار میں مختار تھے' پچاس روپے مہینہ اس کی سرکار سے تنخواہ مقرر تھی اور مکان اور سواری رئیس کے ذمے۔

خیر اندیش خاں اصغری کی تحریر کے بموجب لاہور گیا اور اصغری کا خط مولوی محمد فاضل صاحب کو دکھایا۔ مولوی صاحب بہو کا خط دیکھ کر باغ باغ ہو گئے اور یوں شاید رخصت نہ بھی لیتے۔ اب بہو کے دیکھنے کے اشتیاق میں رئیس سے بہت کہہ سن کر ایک مہینے کی رخصت لی۔ خیر اندیش خاں کے ساتھ ہو لیے۔

چونکہ اصغری میاں کے بعد سسرے کے سامنے نہیں ہوئی تھی' سسرے کو آتے دیکھ شرم کے سبب کوٹھے پر جا بیٹھی' محمد کامل کی ماں حیرت میں تھی کہ یہ کیوں کر آگئے۔

غرض کھانے پینے کے بعد باتیں شروع ہوئیں مولوی صاحب نے بیوی سے کہا۔ "کہ سنو صاحب مجھ کو تو تمہاری چھوٹی بہو نے کھینچ بلایا ہے" اور سب حال خط کا اور خیر اندیش خاں کے جانے کا بی بی سے بیان کیا اور کہا۔ "کہ بہو کو بلاؤ۔"

ساس کوٹھے پر گئیں اور کہا۔ "بیٹی چلو شرم کی کیا بات ہے؟ تم تو ان کی گودوں میں کھیلی ہو۔"

ساس کے کہنے سے اصغری اٹھ کر ساتھ ہولی اور سسرے کو بہت ادب سے سلام کیا اور بیٹھ گئی۔

مولوی صاحب نے کہا۔ "سنو بھائی ہم تو صرف تمہارے بلائے آئے ہیں اور تمہارا خط دیکھ کر ہمارا جی بہت خوش ہوا۔ خدا تمہاری عمر اور نیک بختی میں برکت دے اور حقیقت میں ہمارے گھر کے اچھے نصیب ہیں جو تم ہمارے گھر میں آئیں اور اب مجھ کو یقین ہوا کہ اس گھر کے کچھ دن پھرے اور کل انشاء اللہ انتظام تمہاری مرضی اور تمہاری رائے کے موافق ہو گا۔"

غرض دو چار دن تو مولوی صاحب نئے نئے آئے تھے، ملنے ملانے میں رہے پھر اولی کے دو چار روزوں میں روزے کے سبب گھر کے کام کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ ایک دن بہو کو بلا کر پاس بٹھایا اور ماما عظمت کو بلا کر کہا۔ "کہ ماما ہمارے رہتے سب حساب کتاب کر لو۔ جس جس کا لینا دینا ہی سب لکھا دو تو جس کو جتنا مناسب ہو دیا جائے اور جو باقی رہ جائے اس کی قسط بندی کر دی جائے۔"

ماما نے کہا۔ "ایک کا حساب ہو تو میں زبانی بھی یاد رکھوں بنیا، بزاز، قصائی، کنجڑا، حلوائی، سب کا دینا ہے، اور ہزاری مل کا حساب ایک الگ رقم ہے جس کو جتنا دینا ہو مجھ کو دے دیجئے۔ دے آؤں آپ کے نام جمع ہو جائے گا۔"

مولوی صاحب تو سیدھے سادے آدمی تھے دینے کو آمادہ ہو گئے۔

اصغری نے کہا "یوں علی الحساب دینے سے کوئی فائدہ؟ پہلے ہر ایک کا قرضہ معلوم ہو تب اس کو سوچ سمجھ کر دینا چاہئے"

ماما نے کہا۔ "کھانے سے فراغت ہو جاؤں تو میں ہر ایک سے پوچھ آؤں گی۔" اصغری نے کہا۔ پوچھ آنے سے کیا ہو گا؟ جس کا لینا ہو یہاں آکر حساب کر جائے۔"

ماما نے کہا۔ "بیوی آپ نے تو ایک بات کہہ دی اب میں کہاں کہاں بلاتی پھروں؟ اور وہ لوگ اپنے کام دھندے سے کب چھٹی پاتے ہیں جو میرے ساتھ چلے آئیں گے؟"

اصغری بولی۔ "ماما کوئی روز روز کا بلانا نہیں ہے۔ ایک دن کی بات ہے جا کر بلا لاؤ، شام کے کھانے کا کچھ بندوبست ہو جائے گا۔ تم آج یہی کام کرو اور لینے والے تو دینے کا نام سن کر دوڑیں گے۔ ہزاری مل دو کوس پر کچہری تو گیا۔ یہاں آتے کیا اس کے پاؤں میں مہندی لگی ہے؟ اور دور کون ہے کنجڑا، قصائی، بنیا، حلوائی سب اسی گلی میں ہیں، صرف بزاز اور ہزاری مل دور ہیں، ان کو کل پر رکھو یہ پھٹکل حساب آج طے ہو جائے گا۔"

ماما عظمت کی کسی طرح مرضی نہ تھی کہ حساب ہو۔ لیکن اصغری نے باتوں میں ایسا دبایا کہ کچھ جواب نہ بن پڑا۔

سب سے پہلے حلوائی آیا، پوچھا گیا کہ لالہ تمہارا کیا پانا ہے؟
حلوائی بولا۔ "تیس روپے"
پوچھا گیا کہ کیا کیا چیز تمہارے یہاں سی آئی؟ تیس روپے تو بہت زیادہ بتاتے ہو۔
حلوائی نے کہا۔ "صاحب تیس روپے کچھ بہت ہیں؟ پندرہ روپے کی چیز اسی شب برات میں آئی، ایک رقم دس سیر چینی ہے۔"
محمد کامل کی ماں بولی۔ "ارے کیسی چینی؟ اب کی مرتبہ تو ہمارے گھر جو کچھ پکا پکایا نقد بازار سے آیا۔"
یہ سن کر ماما عظمت کا رنگ فق ہو گیا اور حلوائی سے بولی۔ "وہ دس سیر چینی تو ان کے حساب میں کیوں لکھ لی؟ وہ تو دوسرے گھر کے واسطے لے گئی تھی اور تجھ کو بتا بھی دیا تھا۔"
حلوائی نے کہا۔ "مجھ سے تو تم نے کسی گھر کا نام نہیں لیا۔ اسی سرکار کے نام سے لائی ہو ورنہ مجھے کیا فائدہ تھا؟ دوسرے کی چیز ان کے نام لکھتا اور مجھ سے تو اور کسی سرکار سے اچاپت بھی نہیں ہے۔"
غرض ماما کھسیانی باتیں بکنے لگی۔
مولوی صاحب نے کہا۔ "بھلا چینی کی رقم تو رہنے دو اور چیزیں بتاؤ۔
غرض اسی طرح بہت سی چیزیں اس نے بتائیں جو عمر بھر گھر میں نہیں آئیں تھیں۔ چار سیر بالو شاہی، مولود شریف کے واسطے اور مزہ یہ کہ یہاں کبھی کسی نے مولود کی مجلس نہیں کی۔
غرض صرف چھ سات روپے تو سچ نکلا باقی سب جھوٹ۔"
مولوی صاحب کا جی جل گیا اور بے طرح ان کو غصہ آیا، پوچھا۔ "کیوں ری نمک حرام عظمت ایسا ہی دنیا بھر کا قرض تو نے اس گھر پر کر رکھا ہے؟ اور یوں تو نے گھر کو خاک میں ملایا ہے؟"
حلوائی ہو چکا تو کنجڑا آیا اس نے کہا۔ "میاں میرا تو معمولی حساب ہے۔ دو آنے روز کی ترکاری۔"
محمد کامل کی ماں بولی۔ "ارے سیر بھر ترکاری میرے گھر میں آتی ہے، دو آنے روز کی ہوئی؟"
کنجڑا بولا۔ "حضرت میری دکان سے ماما تین سیر لاتی ہے۔"
ماما بولی۔ "ہاں تین سیر لاتی ہوں سیر بھر تمہارے نام سے سیر بھر اپنی بیٹے کے واسطے اور سیر

پھر دوسرے گھر کے واسطے میں کیا کرتی ہوں۔ یہ مواسب تمہارے نام بتاتا ہے۔"

کنجڑے نے کہا۔ "اری بڑھیا بے ایمان ہمیشہ سے تو اسی گھر کے حساب میں تین سیر لاتی رہی اور جب روپیہ ملا اسی گھر سے ملا۔"

قصائی اور بنئے کا حساب ہوا تو اس میں بھی ہزاروں فریب نکلے اور ثابت ہوا کہ ماما اسی گھر کے سودے میں اپنی بیٹی خیراتن اور دو تین ہمسایوں کے گھر پورے کرتی تھی اور اسی گھر کے نام سے سودا لاتی اور دوسری جگہ بیچ ڈالتی غرض شام تک بمشکل حساب ہوا۔ اب صرف بزاز اور بزاری مل باقی رہا۔

مولوی صاحب نے کہا۔ "اب آج ملتوی کرو کل دیکھا جائے گا۔" لیکن مولوی صاحب نے آہستہ سے کہا۔ "ایسا نہ ہو عظمت بھاگ جائے۔"

اصغری نے کہا۔ "گھر بار لڑکے بچے مکان چھوڑ کر کہاں بھاگ جائے گی؟ ہاں شاید غیرت مند ہو تو کچھ کھاپی لے لیکن ایسی غیرت مند ہوتی تو ایسا کام کیوں کرتی؟ تاہم اس کی حفاظت ضرور ہے لیکن فقط اسی قدر کہ باہر آتی جاتی کو کوئی آدمی دیکھتا رہے۔ مولوی صاحب کے خدمت گار جو ساتھ آئے تھے ایک کو چپکے سے کہہ دیا کہ ماما کو آتے جاتے دیکھتے رہو۔

جب کھانے سے فراغت ہوئی' ماما چپکے سے اٹھ باہر چلی' خدمت گار پیچھے پیچھے ساتھ ہوا' ماما پہلے تو اپنے گھر گئی اور وہاں سے کچھ بغل میں مار تیر کی طرح سیدھی بزاز کے مکان پر جا اس کو آواز دی۔

بزاز گھبرا کر باہر نکلا کہ بڑی بی تم اس وقت کہاں؟

عظمت نے کہا۔ "مولوی صاحب آئے ہوئے ہیں جس جس کا دینا ہے سب کا حساب ہونا ہے کل تم بھی بلائے جاؤ گے' تو ایسی بات مت کرنا جس میں میری فضیحت ہو۔"

بزاز نے کہا۔ "حساب میں تمہاری فضیحت کی کیا بات ہے؟"

ماما بولی۔ "بھلا۔ تم جانتے ہو یہ کم بخت لالچ بہت بری ہوتا ہے۔ سرکار کے حساب میں میں اپنے واسطے بھی تمہاری دکان سے کبھی کبھی لٹھا نین سکھ' دریس لے گئی ہوں۔"

بزاز نے کہا۔ "کیا معلوم تم اپنے واسطے کیا لے گئی ہو؟"

ماما نے کہا۔ "مجھ کو اس وقت حساب کرنے کا تو ہوش نہیں لیکن دو چار تھان دریس اور لٹھے نین سکھ کے اور دس گز اوداقند' میرے حساب میں نکلے گا' لو میرے ہاتھ کی چار چوڑیاں سونے روپے کی ہیں' گھس گھسا کر ایک روپیہ کم ہو گیا ہو گا پندرہ روپے میرے نام سے کم کر دینا اور دو

چار روپیہ جو میرے نام کا نکلے گا میں دینے کو موجود ہوں۔"

بزاز نے کہا۔ "چوڑیاں تم دیتی ہو خیر میں لے لیتا ہوں لیکن رات کا وقت ہے یہ کھاتہ دکان پر ہے بے دیکھے کیا معلوم ہو' کیا کیا گیا ہے اور کیا پانا ہے؟"

عظمت نے کہا۔ "اس وقت میری عزت تمہارے ہاتھ میں ہے' جس طرح ہو سکے بچاؤ۔"

بزاز سے رخصت ہو سیدھی ہزاری مل کے گھر پہنچی' وہ بھی حیران ہوا کہ اس وقت تم کہاں؟۔

اس کے پاؤں پر گر پڑی اور رو کر کہنے لگی "کہ مجھ سے ایک خطا ہو گئی ہے۔" ہزار مل نے کہا۔ "وہ کیا؟"

عظمت بولی۔ "تم وعدہ کرو کہ معاف کر دو گے تو میں کہوں۔"

ہزاری مل نے کہا۔ "بات تو کہو"

عظمت نے کہا "چار مہینے ہوئے لاہور سے خرچ آیا تھا اور مولوی صاحب نے سو روپیہ تم کو بھیجا تھا۔ وہ میرے پاس خرچ ہو گیا اور سرکار میں ڈر کے مارے میں نے ظاہر نہیں کیا' اب مولوی صاحب آئے ہوئے ہیں تم کو حساب کے واسطے طلب کریں گے' میں اس روپے کا ٹھکانا لگا دوں گی تم اس رقم کو مت ظاہر کرنا۔"

ہزاری مل نے کہا۔ "دو چار روپے کی بات ہوتی تو میں چھپا بھی لیتا اکٹھے سو روپے تو میرے کیے چھپ نہیں سکتے۔"

ماما نے کہا۔ "کیا سو روپے کا بھی میرا اعتبار نہیں؟"

ہزاری مل نے کہا۔ "صاف بات تو یہ ہے کہ تمہارا ایک کوڑی کا بھی اعتبار نہیں' جس گھر میں تم نے عمر بھر پرورش پائی انہیں کے ساتھ تم نے یہ سلوک کیا تو دوسرے کے ساتھ تم کب چوکنے والی اسامی ہو۔"

عظمت نے کہا۔ "ہاں لالہ جب برا وقت سر پر پڑتا ہے تو اپنے دشمن ہو جاتے ہیں۔ خیر اگر تم کو اعتبار نہیں تو لو یہ میری بیٹی کی پہونچیاں اور جوشن رکھ لو۔"

ہزاری مل نے کہا۔ "ہاں یہ معاملے کی بات ہے' لیکن دن ہو تو مال پرکھا جائے تب معلوم ہو کتنے کا ہے۔ لیکن اٹکل سے تو سب مال پچاس ساٹھ کا ہو گا۔"

عظمت نے کہا۔ "اے ہے لالہ ایسا غضب تو مت کرو ابھی چار مہینے ہوئے دونوں عدد نئے بنوائے تھے سو سوا سو کی لاگت کے ہیں۔"

ہزار مل نے کہا۔ "اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے تمہاری چیز سو کی ہو یا دو سو کی کوئی نکالے لیتا ہے؟ تلوانے سے جتنے کی ٹھہرے معلوم ہو جائے گا۔"

یہ سب بندوبست کر کے ماما گھر واپس آئی اور مولوی صاحب کے خدمت گار نے پاؤں دباتے میں یہ سب حال مولوی صاحب سے بیان کیا اور محمد کامل کی ماں کے ذریعے سے اصغری کو بھی معلوم ہوا۔

صبح ہوئی تو بزاز اور ہزاری مل طلب ہوئے' حساب میں کچھ حجت ہونے لگی۔ ماما چڑھ بڑھ کر بولتی تھی۔

بزاز نے کہا۔ "تو بڑھیا کیا بڑ بڑ کرتی ہے اٹھا اپنی چوڑیاں تو تو پندرہ روپے کی بتاتی تھی۔ بازار میں نو روپے کی آ نکلتے ہیں۔"

پھر ہزاری مل نے پہونچیاں اور جوشن نکال سامنے رکھ دیے اور عظمت سے کہا۔ "نہیں صاحب یہ مال ہمارے کام کا نہیں۔"

مولوی صاحب نے بزاز اور ہزاری مل دونوں سے پوچھا "کیوں بھائی یہ کیسی چیزیں ہیں؟"

تب دونوں نے رات کی حکایت بیان کی اور عظمت کے منہ پر گویا لاکھوں جوتیاں پڑ رہی تھیں۔

جب حساب طے ہو گیا اور مولوی صاحب نے دینے کو روپیہ نکالا تو جتنا واجبی تھا' آدھا آدھا سب کا دے دیا اور کہا۔ "کہ میں نے لاہور سے روپیہ منگایا ہے دس پانچ دن میں آتا ہے تو باقی بھی دیا جائے گا۔"

سب لوگوں نے پوچھا۔ "اور ماما کی طرف جو ہمارا نکلا وہ ہم کس سے لیں؟"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ مسلم مکتب سے جاتے ہوئے ادھر کو نکلا اور باتیں سنتا گیا' وہاں جا کر تماشا خانم سے کہا کہ "آج تو آپا اصغری کے دروازے پر بڑی بھیڑ جمع ہے ان کے سسرے حساب کتاب کر رہے ہیں۔"

تماشا خانم سنتے کے ساتھ ڈولی میں چڑھ آپہنچی' اتری تو اصغری سے شکوہ کیا۔ "کیوں جی؟ تم نے مجھ کو خبر نہ کی تو کیا ہوا؟"

اصغری نے کہا۔ "ابھی تو حساب درپیش ہے۔ یہ بکھیڑا ہو چکتا تو میں تم کو خبر کرتی۔"

غرض مولوی صاحب نے لوگوں سے کہا۔ "کہ جو ماما سے لینا ہے وہ ماما سے لو" اور عظمت کی طرف متوجہ ہو کر بولے "حضرت ان کا روپیہ ادا کر دو"

عظمت نے نیچی آنکھیں کر کے کہا۔ "میرے پاس بیٹی کا زیور ہے اس میں یہ لوگ اپنا اپنا سمجھ بوجھ لیں۔"

بیٹی کا تمام زیور تو کنجڑے، قصائی، بنیے، بزاز کے حساب میں آدھے داموں پر لگ گیا ہزاری مل کے سو روپے کے واسطے رہنے کا ٹھیکرا گروی رکھنا پڑا لکھا پڑھی، پکے کاغذ پر ہو کر چار بھلے مانسوں کی گواہی ہو گئی۔

مولوی صاحب نے عظمت سے کہا۔ "بس اب آپ خیر سے سدھاریئے، تم ایسے نمک حرام دغا بازی، بے ایمان آدمی کا ہمارے گھر میں کچھ کام نہیں۔"

اصغری نے کہا۔ "ان میں نمک حرامی کے علاوہ ایک صفت اور بھی تھی وہ یہ کہ گھر میں فساد ڈلوانے کی فکر میں تھیں۔"

کیوں عظمت وہ کڑھائی کی بات یاد ہے؟ جو محمودہ کے بھائی نے فرمائش کی تھی اور تو نے میری طرف سے جھوٹ جا کر کہہ دیا تھا کہ بہو کہتی ہیں۔ "میرے سر میں درد ہے۔" بول تو سہی کب تو نے مجھ سے کہا تھا؟ اور کب میں نے درد سر کا عذر کیا تھا؟"

عظمت نے کہا۔ "بیوی تم کوٹھے پر قرآن پڑھ رہی تھیں میں کہنے کو اوپر گئی تم کو پڑھتے دیکھ کر الٹی پھر آئی۔"

اصغری نے کہا۔ "اور درد سر کی بات دل سے بنائی۔"

عظمت نے کہا۔ "میں نے سوچا کہ صبح سے اب تک تو تم پڑھ رہی ہو اب کہاں چولہے میں سر کھپاؤ گی۔"

اصغری نے کہا۔ "بھلا پہاڑ جانے کی بات تو نے کس غرض سے کہی تھی؟ میں نے تجھ سے صلاح کی تھی یا تو نے مجھ کہتے سنا تھا؟"

اس کا کچھ جواب عظمت کو نہ آیا۔

پھر اصغری نے اشتہار نکال کر مولوی صاحب کے سامنے ڈال دیا اور کہا۔ "کہ دیکھیے یہ بیوی عظمت ان گنوں کی ہیں خود تو محلے کے پھاٹک سے اشتہار اکھاڑ کر لائی اور مکان پر لگایا اور خود اماں جان سے کہنے کو دوڑی گئی۔"

اصغری یہ باتیں کہہ رہی تھی اور مولوی صاحب کا چہرہ سرخ ہو ہو جاتا تھا۔ ادھر تماشا خانم، دانت پیس رہی تھی۔

مولوی صاحب نے کہا۔ "تجھ کو نکال دینا کافی نہیں ہے تو بڑی بدذات عورت ہے۔" یہ کہہ

کر اپنے خدمتگار کو آواز دی اور کہا۔ ”کہ بہادر! اس ناپاک کو کوتوالی میں لے جا اور رقعے میں اس کا سب حال ہم لکھے دیتے ہیں۔“

اصغری نے مولوی صاحب سے کہا کہ ”بس اب یہ اپنی سزا کو پہنچ گئی کوتوالی سے اس کو معاف رکھیئے۔“

اور ماما کو اشارہ کیا کہ چل دے بلکہ دروازے تک ماما کے ساتھ گئی۔

غرض ماما عظمت اپنے کوتکوں کے پیچھے یہاں سے نکالی گئی۔ گھر پہنچی تو بیٹی بلا کی طرح لپٹی میں نہ کہتی تھی۔ اماں ایسی لوٹ تو مت مچاؤ سو دن چور کے تو ایک دن شاہ کا۔ ایسا نہ ہو کہ کسی دن پکڑی جاؤ۔ تم کس کی مانتی تھیں۔ خوب ہوا جیسا کیا ویسا پایا۔ اب سسراں میں میرا نام تو بدمت کرو جہاں تمہارا خدا لے جائے چلی جاؤ میرے گھر میں تمہارا کام نہیں زیور کو میں نے صبر کیا تقدیر میں ہو گا تو پھر مل رہے گا۔“

اس طور پر خدا خدا کر کے اصغری نے اپنے دشمن کو نکال پایا اور گھر کے عذاب سے نجات دی۔

جب عظمت کا فیصلہ ہو گیا تو اصغری نے باپ کے پاس جانے کی پھر اجازت چاہی اور خوشی راضی سے رخصت ہو ماں کے گھر آئی۔ ایک ہفتے برابر یہاں رہی اور جس جس بات میں باپ سے صلاح لیتی تھی سب طے کیا۔

باپ نے پوچھا۔ ”عظمت نکل گئی؟“

اصغری نے کہا۔ ”سب آپ کے طفیل سے بخیر انجام ہوا نہ بڑے بھائی لاہور جاتے نہ ابا جان آتے نہ یہ برسوں کا حساب طے ہوتا' نہ عظمت نکلتی۔“

خاں صاحب نے پوچھا۔ ”اب گھر کا انتظام کیونکر ہو گا؟“

اصغری نے کہا۔ ”ماما کے نکلتے میں ادھر چلی آئی اب انتظام کیا مشکل ہے۔ اسی عظمت کی خرابی تھی۔ اب میں سب دیکھ بھال لوں گی۔“

خاں صاحب نے پوچھا۔ ”اور کیا کیا باتیں تم نے گھر میں ایجاد کیں؟“

اصغری نے کہا۔ ”ابھی میں نے کچھ دیکھا سنا نہیں' شروع سے عظمت کا جھگڑا پیش آگیا۔ اب البتہ ارادہ ہے کہ ہر ایک بات کو سوچوں اور انتظام کروں اور انشاء اللہ آپ کے خط کے ذریعے سے اطلاع دیتی رہوں گی۔“

خاں صاحب نے نکاح کے بعد سے اصغری کا دس روپے مہینہ مقرر کر دیا تھا۔

اصغری سے پوچھا۔ "کہ اگر تم کو خرچ کی تکلیف رہتی ہو تو میں کچھ روپیہ تم کو دیتا جاؤں؟"

اصغری نے کہا۔ "وہی دس روپے میری ضرورت سے زیادہ ہیں' بلکہ آج تک کا روپیہ سب میرے پاس جمع ہے۔ زیادہ لے کر میں کیا کروں گی اور جب ضرورت ہو گی تو میں خود مانگ لوں گی۔"

غرض باپ سے اصغری رخصت ہو آئی۔

سسرال میں آکر دیکھا کہ ساس چولہا جھونک رہی ہیں۔ اصغری نے حیرت سے پوچھا۔ "کہ ایں اب تک کوئی ماما نہیں رکھی گئی؟"

ساس بولی۔ "آنے کو تو کئی عورتیں آئیں پر تنخواہ سن کر ہمت نہیں پڑتی کہ کسی کو نوکر رکھیے۔ عظمت بری تھی مگر آٹھ آنے مہینے پر پچیس برس اس نے نوکری کی۔ اب جو ماما آتی ہے دو روپے اور کھانے سے کم کا نام نہیں لیتی' میں نے تمہارے آنے پر رکھا تھا۔"

اصغری نے کہا۔ "ماما تو ایک میری نظر میں بھی ہے لیکن تنخواہ وہ بھی زیادہ مانگتی ہے' کفایت نساء کی چھوٹی بہن دیانت نساء پکانا سینا سب جانتی ہے اور ایک دفعہ کفایت نساء نے کہا بھی تھا کہ کوئی اچھا ٹھکانا ہو تو دیانت نساء نوکری کرنے کو موجود ہے۔"

محمد کامل کی ماں نے پوچھا۔ "وہ کیا تنخواہ لے گی؟"

اصغری نے کہا۔ "وہ تو اپنے منہ سے تین روپے اور کھانا مانگتی ہے۔ لیکن سمجھائے سے شاید دو روپے میں راضی ہو جائے۔"

محمد کامل کی ماں نے کہا۔ "دو روپے کھانا دینا ہو تو دروازے پر بھوندو بھٹیارے کی بی بی چنیاں کی ماں منتیں کرتی ہے۔"

اصغری نے کہا۔ "چنیاں کی ماں کو تو میں چار آنے مہینے پر بھی نہ رکھوں۔"

محمد کامل کی ماں نے پوچھا۔ "اے کیوں؟"

اصغری بولی۔ "پاس کا رہنے والا آدمی برا آنکھ بچی اور جو چیز چاہی گھر میں جا کر رکھ آئی اور جب گھر سے گھر ملا ہے تو ہر گھڑی چنیاں کی ماں اپنے گھر جائے گی اور شاید رات کو بھی اپنے گھر رہے۔"

محمد کامل کی ماں نے کہا۔ "بخشو کی بیوی نے اپنی بیٹی زلفن کے واسطے مجھ سے کئی مرتبہ کہا ہے اور زلفن تو سید فیروز کے بنگلے میں رہتی ہے۔"

اصغری نے پوچھا۔ وہی زلفن نا جو خوب بنی ٹھنی رہتی ہے؟"

محمد کامل کی ماں نے کہا' ہاں' بی ٹھمنی کیا رہتی ہے' نئی بیاہی ہوئی ہے' کپڑے لتے کا ذرا شوق ہے۔"

اصغری نے کہا۔ "ایسا آدمی بھی نہیں رکھنا چاہیے۔"

محمد کامل کی ماں نے کہا۔ "خود زلفن کی ماں نوکری کرنے کو راضی ہے۔"

اصغری نے کہا۔ "ان کے ساتھ ایک دم چھلا چھوٹی بیٹی کا لگا ہے' وہ ایک دم ماں کو نہیں چھوڑتی۔ پس نام تو ایک آدمی کا ہو گا اور کھائیں گے دو دو۔"

محمد کامل کی ماں نے کہا۔ "اور تو کوئی آدمی میرے خیال میں نہیں آتا۔"

اصغری نے کہا۔ "دیکھو اسی دیانت نساء کو بلاؤں گی۔"

محمد کامل کی ماں نے کہا۔ "تنخواہ کا کیا ہو گا؟"

اصغری نے کہا۔ "ایمان دار آدمی تو کم تنخواہ پر ملنا محال ہے ان لوگوں کو دو کی جگہ تین دینے گون (گوارا) ہیں لیکن عظمت ایسی کو آٹھ آنے دے کر گھر لٹوانا منظور نہیں۔ وہ کہاوت سچ ہے۔ (گراں بہ حکمت ارزاں بہ علت۔"

اس وقت کا کھانا تو ساس اور بہوؤں نے مل کر پکا پکو لیا' کھانے کے بعد اصغری محمودہ کو ساتھ لئے کوٹھے پر چلی گئی۔ جب تک مولوی صاحب رہے اصغری نے کوٹھے پر سے اترنا بہت کم کر دیا تھا۔ صرف صبح و شام نیچے اترتی تھی' بلکہ محمودہ کو بھی منع کر دیا تھا کہ ہروقت نیچے مت جایا کر۔

محمودہ تو لڑکی تھی اس نے پوچھا۔ "اچھی بھابی جان کیوں؟"

اصغری نے کہا۔ "بڑوں کے سامنے ہروقت نہیں چلتے پھرتے۔"

کھانے کے بعد گھر کے حساب کتاب میں مولوی صاحب سے اور بی بی سے لڑائی ہونے لگی۔ بی بی کو شکایت تھی کہ تم خرچ بہت تھوڑا دیتے ہو۔ یہاں شادی بیاہ' برادری کا لینا دینا' آنا جانا' سب مجھ کو کرنا پڑتا ہے۔ مولوی صاحب کہتے تھے کہ بیس روپے مہینہ تھوڑا نہیں ہے' تم کو انتظام کا سلیقہ نہیں۔ اسی سبب سے گھر میں بے برکتی رہتی ہے۔ اتنے میں مولوی صاحب نے محمودہ کو آواز دی' محمودہ آئی تو کہا۔ "بھابی کو بلا لاؤ"

اصغری نے طلب کی آواز سنی تو حیران ہوئی کہ اس وقت کیوں بلایا؟ محمودہ سے پوچھا "کیا ہو رہا ہے؟"

محمودہ نے کہا۔ "لڑائی ہو رہی ہے۔"

اصغری گئی تو مولوی صاحب نے کہا۔ "کیوں بیٹا اب انتظام کون کرے؟"

اصغری نے کہا۔ "اماں جان کریں گی، جس طرح اب تک کرتی تھیں۔"

مولوی صاحب نے کہا۔ "ان کے انتظام کا نتیجہ تو دیکھ لیا بیس روپے مہینہ جس گھر میں آتا ہو اس گھر کی یہی صورت ہوتی ہے کہ نہ سلیقے کا کوئی برتن ہے نہ عزت کی کوئی چیز ہے اگر کسی وقت ایک چھچہ شہرت درکار ہو تو خدا نے چاہا اس کا سامان بھی گھر میں نہ نکلے گا۔"

اصغری نے کہا "اماں جان کا اس میں کیا قصور ہے؟ عظمت نامراد نے گھر کو خراب کیا۔"

مولوی صاحب بولے "ان میں انتظام کی عقل ہوتی تو عظمت کی کیا طاقت تھی، عظمت نوکر تھی یا گھر کی مختار تھی؟"

اصغری نے کہا۔ "پچیس برس کا پرانا آدمی جب لوٹنے پر کمر باندھے تو اس کے فریب کو کون جان سکتا ہے۔ ایسے پرانے آدمی پر تو شبہ بھی نہیں ہو سکتا۔"

مولوی صاحب بولے۔ "تم کو آخر شبہ ہوا یا نہ ہوا؟"

اصغری نے کہا۔ "مجھ کو کیا شبہ ہوا؟ اسی کی شامت تھی کہ اس نے نالش کا ذکر مذکور چھیڑ کر سوتی ہوئی بھڑوں کو جگایا۔"

اتنے میں ساس بولیں۔ "پچاس میں تم اپنے اکیلے دم کے واسطے تو تیس روپے رکھو اور یہاں کنبے کے واسطے بیس روپے"

مولوی صاحب نے کہا۔ "گھر کا خرچ اور باہر کا خرچ کہیں برابر ہو سکتا ہے؟ تم نے تو مجھ کو اکیلا سمجھ لیا اور خدمت گار سواری مکان، کپڑا لتا؟"

بی بی نے کہا۔ "سواری اور مکان تو سرکار سے ملتا ہے۔"

مولوی صاحب نے کہا۔ "گھوڑا ملا دانہ گھاس تو مجھ کو اپنی گرہ سے کھلانا پڑتا ہے۔ چار روپے کا سائیس اور مکان کی مرمت پھر سرکار دربار کے موافق حیثیت دینا لینا، ہزار بکھیڑے ہیں نہیں معلوم میں کس طرح گزر کرتا ہوں۔"

اصغری نے ساس کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ "اماں جان! بیس روپے میں تکرار کرنے سے کیا فائدہ؟ جتنا ملتا ہے ہزار شکر ہے خدا ابا جان کی کمائی میں برکت دے یہ بھی ہزاروں ہیں۔"

ساس نے کہا۔ "بیٹی مجھ سے بیس میں گھر نہیں چلتا۔"

اصغری نے اشارے سے ساس کو روکا اور مولوی صاحب سے۔ "آپ چاہے دو روپے اور کم دیجئے لیکن جو کچھ دیجئے ماہ بماہ ملا کرے۔ جب وقت پر پیسہ نہیں ہوتا تو قرض لینا پڑتا ہے، اور قرض سے گھر کی رہی سہی برکت بھی اڑ جاتی ہے۔"

مولوی صاحب نے کہا۔ "ہندوستانی سرکاروں میں تنخواہوں کا دستور قاعدہ بہت خراب ہے، کبھی چھٹے مہینے تقسیم ہوتی ہے۔ کبھی برسویں دن ملتی ہے۔ اس سبب سے خرچ کا معمول نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہزاری مل سے میں کہہ جاؤں گا کہ مہینے کے مہینے تم کو بیس روپے دے دیا کرے گا۔

اصغری نے پوچھا۔ "کہ مہاجن بتا جائیے گا تو وہ آپ سے سود مانگے گا؟"

مولوی صاحب نے کہا۔ "نہیں سود کیا لے گا؟ ہماری سرکار میں بھی اس کا لین دین ہے وہاں سے حکم آجائے گا۔"

اصغری نے کہا۔ "تو اس کا مضائقہ نہیں۔"

غرض بیس روپے تنخواہ ٹھہر گئی، لیکن محمد کامل کی ماں کو ناگوار ہوا اور الگ جا کر اصغری سے گلہ کیا۔

اصغری نے کہا۔ "گھر تو بیس میں انشاء اللہ میں چلا دوں گی اس کی آپ کچھ فکر نہ کیجئے اور مولوی صاحب واقع میں تیس روپے سے کم میں اپنی حیثیت درست نہیں رکھ سکتے۔ مختاری کی نوکری میں اول تو اوپر سے آمدنی کی کوئی صورت نہیں اور جو ہو بھی تو مولوی صاحب کیوں لینے لگے؟ بس گنی بوٹی، نپا شوربا، مولوی صاحب خود تکلیف میں رہے اور دو چار روپے گھر میں زیادہ بھی آئے تو مناسب نہیں۔"

یہ سن کر ساس چپ ہو رہیں۔

اصغری نے دیانت نساء کو بلا بھیجا اور کہہ سن کر دو روپے اور کھانے پر راضی کر لیا اور جتا دیا۔ کہ "دیانت نساء خبردار کوئی بات ایسی نہ ہو کہ تمہارے اعتبار میں فرق ڈالے۔ جس طرح تمہاری بڑی بہن ہمارے گھر رہتی ہے۔ اسی طرح تم رہنا۔"

دیانت نساء نے کہا۔ "بیوی خدا اس گھڑی کو موت دے کہ پرائے مال پر نظر کروں، ضرورت ہو تو تم سے مانگ کر کھالوں پر بے حکم نون تک چکھنا حرام سمجھتی ہوں۔"

عید کے اگلے دن مولوی صاحب تو لاہور سدھارے اور ضرورت کی سب چیزیں اصغری نے اکٹھی منگوا لیں اور آئندہ ہمیشہ فصل پر سستی دیکھ کر اکٹھی چیز لے رکھتی تھی، مرچ، پیاز، دھنیا، اناج، دالیں، چاول، کھانڈ، لکڑی، کنڈا، آلو، اروی، میتھی، شلجم، سوئے کا ساگ، ہر چیز وقت مناسب پر خرید کی جاتی تھی۔

ماما ملا کر پانچ آدمی تھے، دونوں وقت میں تین پاؤ گوشت آتا تھا۔ اس میں دیانت دو طرح کا کر لیتی تھی، کبھی آدھے میں ترکاری اور آدھا سادہ کبھی آدھے میں کباب اور ایک وقت دن کو دال

اور ساتویں دن پلاؤ اور میٹھے چاولوں کا معمول تھا۔

گھر میں دو تین قسم کی چٹنی کوئی چاشنی دار، کوئی عرق نصاع کی کوئی سرکے کی، دو چار قسم کا مربا بنا رکھا، اس کے علاوہ شربت انار، لیموں کی سکنجبین، شربت بنفشہ، شربت نیلو فر، شربت فالسہ کی ایک ایک بوتل بنالی۔

ہر طرح کا ضروری سامان گھر میں موجود رہا کرتا تھا۔ باوجود اس سامان کے پندرہ روپے سے زیادہ خرچ نہیں ہوتا تھا۔ پانچ روپے جو بچتے تھے اس سے بڑے بڑے ونسیرے اور دس سیرے دو پتیلے ایک سینی کچھ چھوٹے چمچے دو لوٹے، ایک عدد چائے کے لوازم اس قسم کی چیزیں خرید ہوئیں۔ دو صندوقچے بنوائے گئے، دو الماریاں ایک باورچی خانے میں اسباب کی کوٹھڑی میں بیٹھنے کے تخت پرانے تھے وہ درست ہوئے دو پلنگ تیار ہوئے خلاصہ یہ کہ اصغری نے اس بیس روپے میں گھر کو وہ جلا دی کہ ظاہر حال میں بڑی رونق معلوم ہوتی تھی۔ ہر چیز میں کفایت اور ہر چیز میں انتظام کو دخل دیا۔

عظمت کے وقتوں میں ہمیشہ محمودہ کے واسطے تین چار پیسے روز کا سودا بازار سے آتا تھا، اس واسطے کہ کبھی دستر خوان میں ایک ٹکیا نہیں بچی، اب دونوں وقت دو چار روٹی دستر خوان میں رہنے لگیں، کبھی بھنتے میں سے دو بوٹیاں محمودہ کے لیے نکال رکھیں، کبھی ایک چٹکی کھانڈ نکال دی، کبھی مربے کی ایک پھانک دے دی، روز کا سودا موقوف ہوا۔ کسی دن کبھی کبھار جو محمودہ کا جی چاہا تو کچھ منگوا لیا۔

اس گھر سے فقیر کو عمر بھر ایک چٹکی آٹا یا آدھی روٹی نہیں ملی تھی۔ اب دونوں وقت دو دو روٹیاں فقیروں کو بھی دی جاتی تھیں، گھر میں جو کچھ اسباب تھا عجیب سلیقگی سے، ساگ مولی کی طرح پڑا رہتا تھا اب ہر ایک چیز ٹھکانے لگی کپڑوں کی گٹھریاں ہیں تو کپڑے اچھی طرح تہ کیے ہوئے ترتیب سے بندھے ہیں، اناج پانی کی کوٹھڑی میں ہر ایک شے احتیاط سے ڈھکی ہوئی ہے۔ برتن صاف ستھرے اپنی جگہ رکھے ہیں، چینی کے الگ، تانبے کے الگ گویا گھر ایک کل تھی جس کے کیل پرزے سب درست اور اس کی کل کی کنجی اصغری کے ہاتھ میں تھی، جب کوک دیا کل اپنے معمول سے چلنے لگی

رفتہ رفتہ دو دو چار چار روپے پس انداز ہونے لگے۔ اور اصغری اس کو بطور امانت علیحدہ جمع کرتی گئی۔ جب سے اصغری نے گھر کا اہتمام اپنے ہاتھ میں لیا۔ قرض لینا ختم ہو گیا۔ بھول کر بھی دمڑی چھ دام تک کی چیز بازار سے ادھار نہ آئی۔

اصغری گھر کا سب حساب ایک کتاب میں لکھا کرتی تھی۔ جب کوئی چیز ہو چکنے پر آئی اور دیانت نساء نے اطلاع کی کہ "بیوی گھی دو دن کا اور ہے" اصغری نے اپنی کتاب نکال کر دیکھا کہ کس تاریخ کتنا گھی آیا تھا اور کتنے روز کے حساب سے خرچ ہوا' اگر بے حساب ہوا تو دیانت سے باز پرس کی۔

مجال نہ تھی کہ کسی چیز میں فضول خرچی ہو اور بے حساب اٹھ جائے' پسائی والی کی پسائیاں اور دھوبن کی دھلائیاں تک اصغری کی کتاب میں لکھی جاتی تھیں۔

جب ہر چیز کا ایک معمول بندھ گیا اور انتظام بیٹھ گیا اصغری دوسرے کاموں کی طرف متوجہ ہوئی۔ محمد کامل پڑھتا لکھتا تو تھا' لیکن اس بے تدبیری اور بدشوقی سے جس طرح آزاد خودمختار لڑکے پڑھا کرتے ہیں۔ باپ تو باہر رہتے تھے۔ محمد عاقل گو بڑا بھائی تھا' لیکن دونوں بھائیوں میں صرف اڑھائی برس کی بڑائی چھٹائی تھی' محمد کامل پر اس کا دباؤ کم تھا۔ صبح و شام سبق بھی پڑھتا تھا اور ہم عمر لڑکوں میں گنجفہ' شطرنج' چوسر بھی کھیلا کرتا تھا۔ بعض مرتبہ کھیل میں مصروف ہوتا تو پہر پہر بھی رات گئے گھر آتا۔ اصغری کو یہ حال تو معلوم تھا۔ لیکن موقع ڈھونڈتی تھی کہ ایسے ڈھب سے کہنا چاہیئے کہ ناگوار نہ ہو۔

ایک روز بہت رات گئے محمد کامل آیا اور شاید بازی جیت کر آیا تھا۔ خوش تھا' آتے کے ساتھ کھانا مانگا۔ دیانت سالن گرم کرنے دوڑی گئی۔ محمد کامل سمجھا ابھی پکا رہی ہے۔ پوچھا "ماما ابھی تک تمہاری ہنڈیا چولہے سے نہیں اتری؟"

اصغری نے کہا۔ "کئی دفعہ اتر کر چڑھ چکی ہے۔ ایسے ناوقت تم کھانا کھاتے ہو کہ کھانا ٹھنڈا ہو کر مٹی ہو جاتا ہے یا تو ایسا بندوبست کرو کہ سویرے کھا جایا کرو یا کھانا باہر منگوا لیا کرو ادھر تمہارے انتظام میں اماں جان کو ہر روز تکلیف ہوتی ہے۔"

محمد کامل نے کہا۔ "ایں تم لوگ میرے منتظر رہتے ہیں؟ میں تو جانتا تھا تم کھا لیا کرتی ہو گی۔"

اصغری نے کہا "مردوں کے ہوتے عورتوں کو کھانا' ٹھونس بیٹھنا' کون ضرور ہے۔"

محمد کامل نے کہا۔ "دو چار دن کی بات ہو تو گزر سکتی ہے۔ اس میں ضد کی کیا بات ہے؟ تم لوگ کھانا کھا لیا کرو۔"

اصغری اس وقت تو چپ ہو رہی کوٹھے پر محمد کامل نے خود چھیڑ کر اسی بات کو کہا۔

اصغری نے کہا۔ "تعجب کی بات ہے تم اپنے معمول کے خلاف نہیں کر سکتے اور ہم لوگوں

سے چاہتے ہو کہ ہم اپنے معمول کے خلاف کریں تم ہی سویرے چلے آیا کرو۔"

محمد کامل نے کہا۔ "کھانے کے بعد باہر نکلنے کو جی نہیں چاہتا اور مجھ کو نیند دیر کر آتی ہے۔ گھر میں بے شغل پڑے پڑے جی گھبراتا ہے اس واسطے میں قصداً" دیر کر کے آتا ہوں کہ کھانے کے بعد سو رہوں۔"

اصغری نے کہا۔ "شغل تو اپنے اختیار میں ہے۔ اگر آدمی اپنے وقت کا انضباط کرے تو ہزاروں کام ہیں۔ ایک پڑھنے کا شغل کیا کم ہے؟ میں اپنے بڑے بھائی کو دیکھا کرتی تھی۔ کہ آدھی رات تک کتاب دیکھتے اور جس دن اتفاق سے سو جاتے تو بڑا افسوس کیا کرتے تھے' تم پڑھنے میں کم محنت کرتے ہو اس واسطے بے شغلی سے تمہارا جی گھبراتا ہے۔"

محمد کامل نے کہا۔ "اور کیا محنت کروں؟ دونوں وقت سبق پڑھ لیتا ہوں' یاد کر لیتا ہوں۔"

اصغری نے کہا۔ "نہیں معلوم تم کیسا پڑھنا پڑھتے ہو؟ جس دن عظمت کے حساب کتاب ہوتا تھا۔ ابا جان تم سے حساب پوچھتے تھے اور تم بتا نہیں سکتے تھے مجھ کو شرم آتی تھی۔"

محمد کامل نے کہا۔ "حساب دوسرا فن ہے میں عربی پڑھتا ہوں اس سے اور حساب سے کیا واسطہ؟"

اصغری نے کہا۔ "پڑھنا لکھنا اسی واسطے ہوتا ہے کہ دنیا کا کوئی کام اٹکا نہ رہے' بڑے بھائی عربی' فارسی بہت پڑھ گئے ہیں' لیکن نوکری نہیں ملتی ابا کہا کرتے ہیں کہ "حساب کتاب اور کچہری کا کام جب تک نہ سیکھو گے نوکری کا خیال مت کرو۔ اب مال اندیش مدرسے میں پڑھتا ہے اور حساب کتاب میں بڑے بھائی سے زیادہ ہوشیار ہے۔ ابا اس سے بہت خوش ہیں کہا کرتے ہیں دو برس مدرسے میں اور پڑھو پھر تم کو کہیں نوکر کرا دوں گا۔"

محمد کامل نے کہا۔ "مدرسے میں کم عمری آدمی کو داخل کرتے ہیں میری عمر زیادہ ہے۔"

اصغری نے کہا۔ "مدرسے میں داخل ہونے پر کیا منحصر ہے یوں شہر میں کیا سکھانے والے نہیں ہیں؟ جتنا وقت تم کھیل میں ضائع کرتے ہو اسی میں صرف کیا کرو۔"

محمد کامل نے کہا "کھیل کیا میں دن رات کھیلتا ہوں' کبھی گھڑی دو گھڑی کو بیٹھ گیا۔"

اصغری نے کہا۔ "کھیلنا افیون کی سی عادت ہے تھوڑے سے شروع ہو کر بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ لت پڑ جاتی ہے اور پھر چھوٹنا مشکل ہوتا ہے۔ اول تو یہ کھیل گناہ ہیں۔ دوسرے آدمی کو دوسرے کمال حاصل کرنے سے روکتے ہیں۔ کام کاج کے آدمی کبھی نہیں کھیلتے' نکمے لوگ البتہ اسی طرح دن کاٹتے ہیں ان کھیلوں میں جیسا بازی جیتنے سے جی خوش ہوتا ہے ہارنے

سے رنج بھی بہت ہوتا ہے اور جس طرح وہ خوشی بے اصل ہوتی ہے۔ یہ رنج بھی ناحق کا ہوتا ہے۔ اور اکثر کھیلتے کھیلتے آپس میں مفت کی تکرار ہو جاتی ہے۔ میری صلاح مانو تو ان کھیلوں کو بالکل موقوف کرو لوگ تمہارے منہ پر تو کچھ نہیں کہتے۔ لیکن پیچھے ہنستے ہیں پرسوں کی بات ہے کہ تم کو کوئی مردوا بلانے آیا تھا ماما نے اندر سے جواب دیا کہ "باہر سدھار گئے ہیں۔" اس مردوے نے اپنے ساتھ والے سے کہا۔ "میاں ماسٹر حسینی کے مکان پر چلو' وہاں شطرنج کے جھگڑے میں ملیں گے۔"

ابا جان کا شہر میں بڑا نام ہے۔ لوگ ان کے معتقد ہیں۔ ایسی جگہ جانے سے نام بد ہوتا ہے اور میں نے ابا جان کو افسوس کرتے سنا ہے کہ "ہائے ہماری تقدیر دو لڑکوں میں کوئی بھی ایسا نہ ہوا کہ اس کو دیکھ کر جی خوش ہوتا۔ عاقل کو کچھ لکھایا پڑھایا تھا۔

اب وہ بھی اپنی نوکری کے پیچھے ایسا پڑا ہے کہ لکھا پڑھا بھی بھول گیا۔ یہ چھوٹے صاحب ہیں' ان کو کھیل کود سے فرصت نہیں۔" بلکہ ہمارے ابا کو بھی کسی نے اس کی خبر کر دی۔ مجھ سے پوچھتے تھے' میں نے کہا۔ "سب جھوٹ ہے' اگر ایسی بات ہوتی تو مجھ کو ضرور معلوم ہوتا۔"

اصغری کی نصیحت نے محمد کامل پر بہت عمدہ اثر کیا اور اس نے کھیلنا بالکل چھوڑ دیا اور پہلے کی بہ نسبت عربی پر بھی زیادہ محنت کرنے لگا اور ایک مدرس سے مدرسے کے باہر حساب کتاب وغیرہ بھی سیکھنا شروع کر دیا۔ خدا نے وقت میں بڑی برکت دی ہے۔ اس کو انتظام کے ساتھ صرف کرنے سے چند روز میں محمد کامل کی استعداد عربی بھی درست ہو گئی اور حساب ریاضی کی بھی کئی کتابیں نکل گئیں۔

محمد کامل تو ادھر مصروف رہا' اصغری نے ایک اور کارخانہ اسی عرصے میں جاری کیا۔

اس محلے میں حکیم روح اللہ خاں بڑے نامی گرامی آدمی تھے حکیم صاحب خود تو سرکار مہاراجہ پٹیالہ میں دیوان تھے' لیکن گھربار' لڑکے بچے سب اس محلے میں تھے۔ مکان' محلات' نوکر چاکر' بڑا کارخانہ تھا اور یہ گھر شہر کے اونچے گھروں میں گنا جاتا تھا۔ اونچی جگہ رشتہ ناتے' اونچے لوگوں سے راہ و رسم۔

حکیم صاحب کے چھوٹے بھائی فتح اللہ خاں بہت مدت تک والئی اندور کی سرکار میں مختار کل رہے اور جب اس سرکار میں منشی عمو جان کو بڑا دخل ہوا' مصلحت وقت سمجھ کر کنارہ کش ہو گئے' لیکن لاکھوں روپیہ گھر میں تھا' نوکری کی کچھ پروا نہ تھی' ہزاروں روپے کی املاک شہر میں خرید کر لی تھی' سیکڑوں روپیہ ماہوار کرایہ کا چلا آتا تھا۔ بڑی شان سے رہتے تھے۔ ڈیوڑھی پر

سپاہیوں کا گارد' اندر باہر تیس چالیس آدمی نوکر' گھوڑا' ہاتھی' پالکی' بگھی' سواری کو موجود۔

فتح اللہ خاں کی دو بیٹیاں تھیں' جمال آرا اور حسن آرا۔

جمال آرا۔ نواب اسفندیار خاں کے بیٹے سے بیاہی گئی تھی لیکن ایسی ناموافقت ہوئی کہ آخر کار قطع تعلق ہو گیا۔ کچھ خدانخواستہ طلاق نہیں ہوئی تھی۔ لیکن کسی طرح کا واسطہ بھی باقی نہیں رہا تھا۔ جہیز کا اسباب تک پھر آیا تھا۔

حسن آرا کی نسبت جھجر کے خاندان میں ہوئی تھی۔

ان لڑکیوں کی خالہ شاہ زمانی بیگم اس محلے میں رہتی تھیں جس میں اصغری کا میکا تھا۔ اس محلے میں تو اصغری کی لیاقت کا شور تھا۔ شاہ زمانی بیگم بھی اصغری کے حال سے خوب واقف تھیں۔ شادی بیاہ میں کئی مرتبہ اس کو دیکھا تھا۔

شاہ زمانی بیگم اپنی چھوٹی بہن' حسن آرا کی ماں سے ملنے کے لئے آئیں۔

دنیا کا دستور ہے کہ کوئی فرد بشر رنج سے خالی نہیں اور یہ امر کچھ من جانب اللہ ہے۔ اگر ہر طرف سے خوش ہو تو انسان خدا کو بھول کر بھی یاد نہ کرے اور نہ اپنے تئیں بندہ سمجھے۔

شاہ زمانی کی چھوٹی بہن' سلطانہ بیگم کو دنیا کے سب عیش میسر تھے۔ لیکن لڑکیوں کی طرف سے رنجیدہ خاطر رہا کرتی تھیں ادھر جمال آرا بیاہ برات ہو ہوا کر گھر بیٹھی تھی' ادھر حسن آرا کے مزاج کی افتاد ایسی بری پڑتی تھی کہ اپنے گھر میں سب سے بگاڑ تھا' نہ ماں کا لحاظ' نہ آپا کا ادب' نہ باپ کا ڈر' نوکر ہیں کہ آپ نالاں ہیں۔ لونڈیاں ہیں کہ الگ پناہ مانگتی ہیں غرض حسن آرا سارے گھر کو سر پر اٹھائے رہتی تھی۔

شاہ زمانی بیگم کے آنے سے چاہئے کہ بڑی خالہ سمجھ کر حسن آرا گھڑی دو گھڑی کو چپ ہو کر بیٹھ جاتی۔ کیا ذکر' شاہ زمانی بیگم کو پالکی سے اترے دیر نہ ہوئی تھی کہ لگاتار دو تین فریادیں آئیں۔

نرگس روتی ہوئی آئی کہ بیگم صاحب! دیکھئے چھوٹی صاحبزادی نے میرا نیا دوپٹہ' جھر جھر کر ڈالا۔

سوسن نے فریاد مچائی کہ بیگم صاحب! چھوٹی صاحب نے میرے گلے میں چکنا بھر لیا۔ مجھ سے کہا۔ دیکھوں سوسن! تیری زبان' جونہی میں نے دکھانے کو زبان نکالی' نیچے سے ٹھوڑی میں ایسا مکہ مارا کہ سارے دانت زبان میں بیٹھ گئے۔

گلاب بلبلا اٹھی کہ میرا کان خونا خون ہو گیا۔

دائی چلائی کہ دیکھئے! میری لڑکی کم بخت کے ایسے زور سے لکڑی ماری کہ بازو میں بدھی پڑ گئی۔

باورچی خان سے ماما نے دھائی دی کہ دیکھئے۔ سالن کی پتیلیوں میں مٹھیاں بھر بھر کر راکھ جھونک رہی ہیں۔

شاہ زمانی بیگم نے آواز دی کہ حسنا! یہاں آؤ۔

خالہ کی آواز پہچان کر بارے حسن آرا چلی تو آئی۔ نہ سلام نہ دعا۔ ہاتھوں میں راکھ' پاؤں میں کیچڑ' اسی حالت میں دوڑ خالہ سے لپٹ گئی۔

خالہ نے کہا۔ "حسنا! تم بہت شوخی کرنے لگی ہو؟"

حسن آرا نے کہا۔ "اس نرگس چڑیل نے فریاد کی ہو گی؟"

یہ کہہ کر خالہ کی گود سے نکل' لپک کر نرگس کا سر کھسوٹ لیا' بہتیرا خالہ' ایں ایں کرتی رہیں' ایک نہ سنی۔

شاہ زمانی بیگم اپنی بہن کی طرف مخاطب ہو کر بولی۔ "بوا سلطانہ! اس لڑکی کے لئے تو خدا کے لئے کوئی استانی رکھو۔"

سلطانی بیگم نے کہا' باجی اماں! کیا کروں' مہینوں سے استانی کی تلاش میں ہوں' کہیں نہیں ملتی۔"

شاہ زمانی بیگم بولی۔ "اوئی بوا! تمہاری بھی وہ کہاوت ہوئی۔"

(ڈھنڈورا شہر میں۔ لڑکا بغل میں)

خود تمہارے محلے میں مولوی محمد فاضل کی چھوٹی بہو' لاکھ استانیوں کی ایک استانی ہے۔"

سلطانہ نے کہا۔ "مجھ کو آج تک اطلاع نہیں۔ دیکھو' میں ابھی آدمی بھیجتی ہوں۔"

یہ کہہ کر اپنے گھر کی داروغہ کو بلایا" کہ مائی جی! "کوئی مولوی صاحب اس محلے میں رہتے ہیں' باجی اماں کہتی ہیں' ان کی چھوٹی بہو بہت پڑھی لکھی ہے۔ دیکھو! اگر استانی گری کی نوکری کریں تو ان کو بوا لاؤ' کھانا' کپڑا اور دس روپے مہینہ' پان زردے کا خرچ ہم دینے کو حاضر ہیں اور جب لڑکی پہلا سپارہ ختم کرے گی اور ادب قاعدہ سیکھ جائے گی' تو تنخواہ کے علاوہ استانی جی کو ہم خوش کر دیں گے۔"

مائی جی' مولوی صاحب کے گھر آئیں' محمد کامل کی ماں سے صاحب سلامت ہوئی اور پوچھا۔ "اچھی بی! مولوی صاحب کی بی بی تمہیں ہو؟"

دیانت نے کہا۔ "ہاں یہی ہیں۔ آؤ بیٹھو۔ کہاں سے آئیں؟"
ماتی جی نے کہا۔ "تمہاری چھوٹی بہو کہاں ہیں؟"
محمد کامل کی ماں نے کہا۔ "کوٹھے پر ہیں۔"
ماتی جی نے پوچھا۔ "میں ان کے پاس اوپر جاؤں؟"
دیانت نے کہا۔ "آپ اپنا پتا نشان بتایئے' بہو صاحب یہیں آ جائیں گی۔"
ماتی جی نے کہا۔ "میں حکیم صاحب کے گھر سے آئی ہوں۔"

محمد کامل کی ماں نے نام بنام سب چھوٹے بڑوں کی خیر و عافیت پوچھی اور ماتی سے کہا۔ "تمیزدار بہو سے کیا کام ہے؟"

ماتی جی نے کہا۔ "وہیں آئیں تو کہوں۔"

تمیزدار کے نیچے اترنے کا وقت بھی آ گیا تھا' کیونکہ عصر کی نماز پڑھ کر اصغری نیچے اتر آتی تھی اور مغرب اور عشاء دونوں نمازیں نیچے پڑھا کرتی تھی۔

اصغری کو ماتی جی نے دیکھا' تو استانی گری کی نوکری کے واسطے کہتے ہوئے تامل کیا۔ باتوں ہی باتوں میں یہ کہا کہ بیگم صاحب کو اپنی چھوٹی لڑکی کا تعلیم کرانا منظور ہے۔ بڑی بیگم صاحب نے آپ کا ذکر کیا تو بیگم صاحب نے مجھ کو بھیجا۔"

اصغری نے کہا۔ "دونوں بیگم صاحب کو میری طرف سے بہت بہت سلام کہنا اور یہ کہنا کہ جو کچھ برا بھلا مجھ کو آتا ہے مجھ کو کسی سے عذر نہیں' اسی واسطے انسان پڑھتا لکھتا ہے کہ دوسروں کو فائدہ پہنچائے اور بڑی بیگم صاحب کو معلوم ہو گا کہ میں اپنے میکے میں کتنی لڑکیوں کو پڑھاتی تھی اور میرا جی بہت چاہتا ہے کہ بیگم صاحب کی لڑکی کو پڑھاؤں' لیکن کیا کروں نہ تو بیگم صاحب لڑکی کو یہاں بھیجیں گی اور نہ میرا جانا ہو سکتا ہے۔"

ماتی جی نے تنخواہ کا نام صاف تو نہ لیا لیکن دبی زبان سے کہا کہ "بیگم صاحب ہر طرح سے خرچ پات کی ذمہ داری بھی کرنے کو موجود ہیں۔"

اصغری نے کہا۔ "یہ سب ان کی مہربانی ہے۔ ان کی ریاست کو یہی بات زیبا ہے' لیکن ان کے زیر سایہ ہم غریب بھی پڑے ہیں تو خدا ننگا بھوکا نہیں رکھتا' بے داموں کی لونڈی بن کر تو خدمت کرنے کو میں حاضر ہوں اور اگر تنخواہ دار استانی درکار ہو تو شہر میں بہت ملیں گی۔"

اس کے بعد ماتی جی نے اصغری کا حال پوچھا اور جب یہ سنا کہ یہ تحصیل دار کی بیٹی ہے اور مولوی محمد فاضلؒ صاحب بھی پچاس روپے ماہواری کے نوکر ہیں' تو ماتی کو ندامت ہوئی کہ نوکری کا

اشارہ ناحق کیا لیکن اصغری کی گفتگو سن کر مانی لٹو ہو گئی' ہر چند نوابی کارخانے دیکھے ہوئے تھے' لیکن اصغری کی شستہ تقریر سن کر دنگ ہو گئی اور معذرت کی کہ "بی! مجھ کو معاف کرنا۔"

اصغری نے کہا۔ "کیوں تم مجھ کو کانٹوں میں گھسیٹتی ہو۔ اول تو نوکری کچھ گالی نہیں' عیب نہیں اور پھر ناواقفیت کے سبب اگر تم نے پوچھا تو کیا مضائقہ؟"

غرض مانی جی رخصت ہوئی اور وہاں جا کر کہا "کہ بیگم صاحب! استانی تو واقع میں لاکھ استانیوں کی ایک استانی ہے جس کی صورت دیکھے سے آدمی بن جائے۔ پاس بیٹھے سے انسانیت حاصل کرے۔ سایہ پڑ جانے سے سلیقہ سیکھے' ہوا لگ جانے سے ادب پکڑے لیکن نوکری کرنے والی نہیں۔ تحصیل دار کی بیٹی ہیں' رئیس لاہور کے مختار کی بہو' گھر میں ماما نوکر ہے۔ دالان میں چاندنی بچھی ہے' سوزنی' گاؤ تکیہ لگا ہے۔ اچھی خوش گزران زندگی' بھلا ان کو نوکری کی کیا پروا ہے؟"

شاہ زمانی بیگم بولیں۔ "سچ ہے بوا سلطانہ! تم نے مانی جی کو بھیجا تو تھا لیکن مجھ کو یقین نہ تھا' کہ وہ نوکری کریں گی۔"

مانی جی نے کہا۔ "لیکن وہ تو ایسی اچھی آدمی ہیں کہ مفت پڑھانے کو خوشی سے راضی ہیں۔"

سلطانہ نے پوچھا۔ "کہ یہاں آ کر؟"

مانی جی نے کہا۔ "بھلا بیگم صاحب! جو نوکری کی پروا نہیں رکھتا وہ یہاں کیوں آنے لگا؟"

سلطانہ نے کہا۔ "کیا پھر لڑکی وہاں جایا کرے گی؟"

شاہ زمانی نے کہا۔ "اس میں کیا قباحت ہے؟ دو قدم پر تو گھر ہے' اور مولوی صاحب کو کیا تم نے ایسا بے عزت سمجھا بھائی علی نقی خاں کی سگی پھوپھی زاد بہن کے بیٹے ہیں۔"

سلطان نے کہا۔ "آہا! تو ایک حساب سے ہماری برادری ہیں۔"

شاہ زمانی نے کہا۔ "لو! خدا نہ کرے' کچھ ایسے ویسے ہیں' پہلے ان کا کام خوب بنا ہوا تھا۔ جب سے رئیس بگڑا' بے چارے غریب ہو گئے ہیں۔ پھر بھی ماما ہمیشہ رہی' ڈیوڑھی پر بھی ایک دو آدمی رہتے ہیں۔"

سلطانہ نے کہا۔ "خیر حسن آرا وہیں چلی جایا کرے گی۔"

اگلے دن شاہ زمانی بیگم اور سلطانہ بیگم دونوں بہنیں' حسن آرا کو لے کر اصغری کے گھر آئیں۔ باوجودیکہ اصغری کے یہاں غریبی سامان تھا' لیکن اس کے انتظام اور سلیقے کے سبب بیگموں کی وہ مدارات ہوئی کہ ہر طرح کی چیز وہیں بیٹھے بیٹھے موجود ہو گئی۔ دو چار طرح کا عطر'

چوگھڑا' الائچی' چکنی ڈلی' چھالیہ' بات کی بات میں سب موجود ہو گیا۔ خوب خوب مزے کی گلوریاں تیار ہو گئیں۔

دونوں بہنوں نے اصغری سے کہا۔ "کہ مہربانی کر کے اس کو دل سے پڑھا دیجئے۔"

اصغری نے کہا۔ "اول تو خود مجھ کو کیا آتا ہے۔ مگر جو دو چار حرف بزرگوں کی عنایت سے آتے ہیں' انشاء اللہ ان کے بتانے میں اپنے مقدور بھر دریغ نہ کروں گی۔"

چلتے ہوئے سلطانہ بیگم ایک اشرفی اصغری کو دینے لگیں۔

اصغری نے کہا۔ "اس کی کچھ ضرورت نہیں' بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ میں پڑھوائی آپ سے لوں۔"

سلطانہ نہ کہا۔ استغفر اللہ! پڑھوائی دینے کے واسطے ہمارا کیا منہ ہے۔ بسم اللہ کی مٹھائی ہے۔"

اصغری نے کہا "شروع میں تبرک کے واسطے مٹھائی بانٹ دیا کرتے ہیں۔ سو اشرفی کیا ہو گی؟ بچوں کا منہ میٹھا کرنے کو سیر آدھ سیر مٹھائی کافی ہے۔"

یہ کہہ کر دیانت کی طرف اشارہ کیا' وہ کوٹھڑی میں سے ایک قاب بھر کر ٹکیاں نکال لائی۔

اصغری نے خود فاتحہ پڑھ کر پہلے حسن آرا کو دی اور بھری قاب دیانت کو اٹھا دی کہ سب بچوں کو بانٹ دو۔

سلطانہ نے کہا۔ "اچھا تم نے مجھ کو شرمندہ کیا؟"

اصغری نے کہا' "ہم بے چارے غریب کس لائق ہیں' لیکن یہاں جو کچھ ہے وہ بھی آپ ہی کا ہے' البتہ میرا دینا یہی ہے کہ حسن آرا بیگم کو پڑھا دوں' سو خدا وہ دن کرے کہ میں آپ سے سرخرو ہوں۔"

غرض دنیا سازی کی باتیں ہو ہوا کر شاہ زمانی بیگم اور سلطانہ بیگم چلی گئیں اور حسن آرا کو اصغری کے حوالے کر گئیں۔

اصغری نے جس طرز پر حسن آراء کو تعلیم کیا' اس کی ایک جدا کتاب بنائی جائے گی۔ اگر یہاں وہ سب حال لکھا جاتا تو یہ کتاب بہت بڑھ جاتی۔ اس مقام پر اتنا مطلب ہے کہ حسن آرا کے بیٹھتے ہی محلے کا محلہ ٹوٹ پڑا۔ جس کو دیکھو اپنی لڑکی کو لئے چلا آتا ہے۔ لیکن اصغری نے شریف زادیوں کو چن لیا اور باقیوں کو حکمت عملی سے ٹال دیا کہ میں آئے دن اپنی اماں کے گھر جاتی رہتی ہوں۔ پڑھنا پڑھانا جب تک جم کر نہ ہو۔ بے فائدہ ہے' پھر بھی بیس لڑکیاں بیٹھی

تھیں۔ لیکن اصغری کو کسی لڑکی سے لینے لوانے کی قسم تھی' بلکہ ایک دو روپیہ اس کا اپنا لڑکیوں پر خرچ ہو جاتا تھا۔

صبح سے دوپہر تک پڑھنا ہوتا تھا اور پھر کھانے کے واسطے چار گھڑی کی چھٹی۔ اس کے بعد لکھنا اور پھر دن رہے سے سینا پرونے کا کام گنجائش تھا' اس واسطے کہ نہ صرف سینا سکھایا جاتا تھا بلکہ ہر ایک طرح کی جالی کاڑھنا' ہر ایک طرح کی سلائی' ہر ایک طرح کا قطع' مصالح بنانا اور ٹانکنا۔

اول میں تو اس کا سامان جمع کرنے میں اصغری کے دس روپے خرچ ہوئے لیکن پھر تو اسی کام سے بچت ہونے لگی۔ جو کام لڑکیاں بناتیں۔ دیانت اس کو چپکے سے بازار میں لگا آتی اور اس طرح رفتہ رفتہ مکتب کی ایک بڑی رقم جمع ہو گئی۔

جو لڑکی غریب ہوتی' اسی رقم سے اس کے کپڑے بنائے جاتے' کتاب مول لے دی جاتی۔

لڑکیوں کے پانی پلانے اور پنکھا جھلنے کے واسطے خاص ایک عورت نوکر تھی اور مکتب کی رقم سے اس کو تنخواہ ملتی تھی۔

لڑکیوں کا یہ حال تھا کہ اور استانیوں کے پاس جاتے ہوئے ان کا دم فنا ہوتا ہے۔ لیکن اصغری کی شاگردیں اس پر عاشق تھیں۔ ابھی سو کر نہیں اٹھی کہ لڑکیاں خود بخود آنی شروع ہوئیں اور پہر رات گئے تک جمع رہتی تھیں اور مشکل سے جاتی تھیں۔ اس واسطے کہ اصغری سب کے ساتھ دل سے محبت کرتی تھی اور پڑھانے کا طریقہ ایسا اچھا رکھا تھا کہ باتوں میں تعلیم ہوتی تھی۔ نہ یہ کہ صبح سے ریں ریں کا چرخہ جو چلا تو دن چھپے تک بند نہیں ہوتا۔

جس طرح اصغری کو اس کے باپ نے پڑھایا تھا' اسی طرح اصغری اپنے شاگردوں کو پڑھاتی تھی۔ پس یہ لڑکیاں شاگرد کی شاگرد اور سہیلی کی سہیلی تھیں۔

جب کسی لڑکی کا بیاہ ہوا' مکتب کی رقم سے اس کو تھوڑا بہت زیور چڑھایا جاتا تھا۔

اگر اصغری اپنے مکتب کو بڑھانا چاہتی تو تمام شہر کے مکتب اجاڑ ہو جاتے۔ سینکڑوں عورتیں اپنی لڑکیوں کے واسطے خوشامد کرتی تھیں اور خود لڑکیاں دوڑ دوڑ آتی تھیں اس واسطے کہ اور مکتبوں میں دن بھر کی قید' استانیوں کی سختی' پڑھنا کم' مار کھانا اور کام کرنا بہت۔ دن بھر میں پڑھے تو صرف دو حرف' صبح و شام کی تو معمولی مار اور جہاں چپ کی اور استانی جی کی نظر پڑ گئی' آفت آئی۔

اور کام کو پوچھو تو صبح آتے کے ساتھ گھر میں جھاڑو دی' استانی جی اور استاد جی اور دس بارہ خلیفہ جی۔ بلکہ پڑوسیوں تک کے بچھونے تہ کئے اور چار چار' پانچ پانچ نے مل کر کمبخت بھاری

بوجھل چارپائیاں اٹھائیں۔ پھر دو چار کی جلد شامت آئی تو سپارہ لے کر بیٹھیں۔ منہ سے آواز نکلی اور استانی جی نے ہنسیٹھی چپیٹی شروع کی اور دو چار جو کسی اچھے کا منہ دیکھ کر اٹھی تھیں۔ کام دھندے میں لگ گئیں' کسی نے استانی جی کے لڑکوں کو گود میں لیا' بوجھ کے مارے کولا ٹوٹا جاتا ہے' لیکن مار کے ڈر سے گردن پر بلا سوار ہے' اور وقت ٹالتی پھرتی ہیں' پٹتی ہوئی لڑکیوں کی آواز کان میں چلی آ رہی ہے' دل ہے کہ اندر ہی اندر سما جاتا ہے' اس عذاب سے یہ مصیبت غنیمت معلوم ہوتی ہے' کسی نے رات کے جھوٹے برتن مانجھنے شروع کئے۔ گٹے پڑ گئے ہیں او کندھے رہ رہ جاتے ہیں لیکن چھوٹی بمن پٹ رہی ہے اور چلا رہی ہے "اچھی استانی جی میں مر گئی۔ اچھی میں تم پر واری گئی' اچھی خدا کے لئے' اچھی رسول کے لئے' اچھی میں خلیفہ جی کی لونڈی ہو گئی' ہائے رے' ہائے رے' ہائے رے' ہائے رے' اوئی اماں' اوئی آپا'" اور آپا ہیں کہ جھائیں جھائیں جلدی جلدی برتن مانجھ رہی ہیں۔ ان کاموں سے فراغت ہوئے تو مصالحہ پیسنے' آٹا گوندھنے' آگ سلگانے' گوشت بگھارنے کا وقت آیا۔ دوپہر کو استانی جی ہیں کہ سو رہی ہیں اور معصوم بچے پنکھا جھل رہے ہیں اور دل میں دعا مانگ رہے ہیں۔ الٰہی! ایسی سوئیں کہ پھر نہ اٹھیں۔

غرض اور مکتبوں میں یہ مصیبت رہتی ہے' اصغری کے یہاں نہ مار نہ دھاڑ' بڑا ڈراوا یہ تھا کہ سنو بوا تم سبق یاد نہیں کرتیں' تمہارے سبب سے ہمارے مکتب کا نام بد ہوتا ہے' میں تمہاری اماں جان کو بلا کر کہہ دوں گی کہ "بی! تمہاری لڑکی یہاں نہیں پڑھتی' اس کو تم کسی دوسری استانی کے پاس بٹھاؤ۔" اتنا کہنا کہ لڑکی کا دم فنا ہوا' پھر سبق ہے کہ نوک زبان یاد ہے یا جس نے سبق یاد نہیں کیا' اس سے کہا گیا کہ "بوا! آج تم نے سبق یاد نہیں کیا اور لڑکیاں دوپہر کے بعد سیئیں گے' اور تم پڑھنا۔" یہ کہنا تھا کہ اس نے جلدی جلدی سبق حفظ کیا۔

مکتب میں محمودہ اور حسن آرا دو خلیفہ تھیں۔ نہ یہاں جھاڑو دینی ہے۔ نہ بچھونے اٹھانے ہیں۔ نہ چارپائیاں ڈھونی ہیں' نہ برتن مانجھنے ہیں نہ خلیفاؤں کو لادے لادے پھرنا ہے' بلکہ خود لڑکیوں پر ایک عورت نوکر تھی' محبت اور آرام' پڑھنا' لکھنا' سینا' تین کام' خوب شوق سے لڑکیاں تعلیم پاتی تھیں۔

سفیہن ایک عورت تھی' اور فضیلت اس کی بیٹی' کوئی دس برس کی ہو گی' اس فضیلت کو خود بخود پڑھنے اور سینے پرونے کا شوق تھا۔ سفیہن یہ چاہتی تھی کہ فضیلت تمام گھر میں جھاڑو دے لیپے' پوتے' برتن مانجھے' ایسے کاموں میں فضیلت کا دل نہ لگتا ماں کے کہے سنے سے کر تو دیتی مگر

دی ہے دلی سے۔

سفیہن جو ایک دن فضیلت پر ناخوش ہوئی تو ساتھ لے جا کر اصغری کے مکتب میں بٹھا آئی اور کہا کہ "استانی جی! یہ لڑکی بڑی نکمی ہے' جس کام کو کہتی ہوں' ٹکا سا جواب دے دیتی ہے اس کو ایسا ادب دو کہ گھر کے کام پر اس کا جی لگے۔"

اصغری نے جو دیکھا تو فضیلت کو اپنے ڈھب کا پایا' ادھر فضیلت کو اپنی مرضی کی استانی ملی' نور کے تڑکے آتی تو دوپہر کو کھانا کھانے جاتی' کھانا کھایا اور پھر بھاگی' پانی مکتب میں آ کر پیتی' اور تیسرے پہر کی آئی آئی کہیں چار گھڑی رات گئے جاتی۔ کبھی کبھی سفیہن اس کی خبر لینے مکتب میں آتی تو کئی دفعہ اس کو لڑکیوں کے ساتھ گڑیاں کھیلتے دیکھا' دو چار دفعہ ہنڈ کلھیا پکاتے۔

ایک دن چار گھڑی رات گئی ہو گی۔ فضیلت کو جانے میں دیر ہوئی۔ سفیہن اس کو لینے آئی' تو کیا دیکھتی ہے کہ محمودہ کہانیاں کہہ رہی ہے اور مکتب کی سب لڑکیاں آس پاس بیٹھی ہیں اور خود استانی جی بھی لڑکیوں میں بیٹھی ہوئی کہانیاں سن رہی ہیں۔ تب تو سفیہن کا جی جل کر خاک ہو گیا اور بولی کہ "واہ استانی جی! اچھا تم نے لڑکیوں کا ناس کر رکھا ہے۔ جب کبھی میں فضیلت کو دیکھنے آئی' کبھی میں نے اس کو پڑھتے نہ پایا۔ مکتب کیا ہے؟ اچھا کھیل خانہ ہے' تب ہی تو لڑکیاں دوڑ دوڑ کر آتی ہیں۔"

اصغری نے کہا کہ "بوا! اگر تمہاری مرضی کے موافق تمہاری لڑکی کی تعلیم نہیں ہوتی تو تم کو اختیار ہے۔ اپنی لڑکی کو اٹھا لے جاؤ' مگر مکتب پر ناحق الزام مت لگاؤ' بھلا میں تم سے پوچھتی ہوں' فضیلت نے مائی جی کے مکتب میں کتنے دنوں پڑھا؟"

سفیہن نے کہا۔ "میراں جی کے چڑھتے چاند اس کو بٹھایا تھا دار بھر پڑھا' خواجہ معین الدین بھر پڑھتی رہی' ماہ رجب سے تمہارے یہاں ہے۔"

اصغری نے پوچھا۔ "کہ مائی جی کے یہاں فضیلت نے کیا پڑھا؟"

سفیہن نے کہا۔ "تین مہینے میں " **والمحصنات** " کا سپارہ اور آدھا "**لایحب اللہ**" اصغری نے کہا۔ "تین مہینے میں ڈیڑھ سپارہ' تو مہینے میں آدھا سپارہ ہوا۔ یہاں تمہاری فضیلت ماہ رجب سے ہے اور اب خالی کا چاند چڑھا ہے' چار مہینے ہوئے۔ **وما ابری نفسی** " کا سپارہ کل ختم ہوا۔ یعنی ساڑھے سات سپارے پڑھے حساب سے مہینے پیچھے ایک سپارہ کے قریب ہوتا ہے' مائی جی کے مکتب سے دونا' اور جب فضیلت یہاں آئی تو کالی لکیر تک اس کو کھینچنا نہیں آتی تھی۔ اب نام لکھ لیتی ہے اور بساط بموجب حرف بھی برے نہیں ہوتے' بیس تک بھی پوری گنتی نہیں

جاتی تھی' اب پندرہ کا پہاڑا یاد کرتی ہے' سینے میں تمھی تک سیدھی بھرنی نہیں آتی تھی' اب اس کے ہاتھ کا بخیہ دیکھو۔

لائیو۔ عقیلہ ذرا بچیہ' جو فضیلت نے کرتی میں بخیہ کیا ہے ذرا ان کو دکھانا' اور فضیلت کے ہاتھ کی کیکری' مرمرا' بوٹیاں' لہریا' چھڑیاں' خانہ توڑ' دیکھست بھولی' خاکہ تار شمار' چنبلی کا جال' ترپن بیل' کلدانی' کچھ ہو تو وہ بھی اٹھاتی لاؤ۔"

فضیلت بولی۔ "استانی جی! میں جا کر لے آوں۔"

فضیلت دوڑی دوڑی جا' اپنا کشیدہ اٹھالائی۔

سفیہن ایک بات کے دس دس جواب سن کر ہکا بکا رہ گئی۔

اصغری نے کہا "بولو بوا کچھ انصاف بھی ہے' چار مہینے میں تمہاری لڑکی اور کیا سیکھ لیتی۔"

سفیہن تو ایسی شرمندہ ہوئی کہ گھڑوں پانی پڑ گیا۔ اب استانی جی سے آنکھ سامنے نہیں کر سکتی تھی۔

سفیہن کمبخت کے آ جانے سے محمودہ کی مزے کی کہانی تو رہ گئی' لیکن سب لڑکیاں اسی کی طرف گھور گھور کر دیکھنے لگیں۔

سفیہن نے کہا۔ "کہ استانی جی مجھ کو اس کی کیا خبر تھی؟ فضیلت دن بھر تو یہاں رہتی ہے' رات کو ایسی دیر کر جاتی ہے کہ کھانا کھایا اور سوئی' مجھ کو اس سے پوچھنے گچھنے کا اتفاق تو ہوتا نہیں' دو چار مرتبہ جو میں ادھر کو آ نکلی تو کبھی گڑیاں کھیلتے پایا' کبھی ہنڈ کلیا پکاتے' کبھی کہانیاں سنتے' اس سے مجھ کو خیال ہوا کہ یہ اپنا وقت کھیل کود میں کھوتی ہے۔ اب تو میرے منہ سے بات نکل گئی' معاف کیجئے۔"

اصغری نے کہا۔ "بے شک' تمہارا شبہ بے جا نہیں تھا' لیکن میں انہیں کھیل کی باتوں میں کام کی باتیں سکھلاتی ہوں' ہنڈ کلیوں میں لڑکیاں ہر طرح کے کھانے کی ترکیب سیکھتی ہیں' مصالحے کا اندازہ' نمک کی اٹکل' ذائقہ کی شناخت' بو باس کی پہچان ان کو آتی ہے۔"

کیوں فضیلت پرسوں جمعہ تھا؟ تم لڑکیوں نے ملا کر کتنا زردہ پکایا تھا؟ اس کی ترکیب اور سب حساب کتاب تو ہم کو سناؤ۔"

فضیلت نے کہا۔ "حساب تو محمودہ بیگم نے اپنی کتاب پر لکھ رکھا ہے۔ مگر ترکیب تو میں نے بموجب آپ کے فرمانے کے خوب دھیان لگا کر دیکھ لی ہے' اور اچھی طرح میری سمجھ میں آ گئی ہے۔"

سیر بھر چاول تھے، پہلے ان کو لگن میں بھگو دیا۔ شاید دھیلے کی ہار سنگھار کی ڈنڈیاں منگوائی تھیں، پیسہ بھر ملی تھیں، ان کو کوئی ڈیڑھ سیر پانی میں جوش دیا۔ جب ابالا آگیا اور رنگ کٹ گیا تو چھان کر عرق میں چاول نچوڑ کر ڈال دیے، چاول جب آدھ کچرے ہو گئے اور ایک کنی رہی تو چاولوں کو ایک کپڑے پر پھیلا دیا کہ جتنا بھرپانی ہے، سب نکل جائے، پھر آدھ پاؤ گھی دیگچی میں لونگوں کا بگھار دے کر کڑکڑایا، اور چاول چھوڑ دیے اوپر سے چاولوں کے ہم وزن کھانڈ ڈال دی اور انکل سے اتنا پانی ڈال دیا کہ چاولوں کی ایک کنی جو باقی رہی تھی، گل جائے۔ پھر کوئی ایک چھٹانک کشمش گھی میں کڑکڑا کر جب پھول گئی چاولوں میں چھوڑ دی اور اوپر تلے انگارے رکھ کر دم دے دیا۔

اصغری نے کہا، ترکیب تو درست ہے، لیکن چاولوں کو جو میں نے دیکھا تو بیٹھ گئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے کپڑے پر پھیلا کر ٹھنڈے پانی سے ان کو دھویا نہیں؟"

پھر اصغری سفیہن کی طرف مخاطب ہو کر بولی۔ "کہ کیوں بوا زردہ تو تمہاری لڑکی نے ٹھیک پکایا؟ یہ سب ہند کلھیا کی بدولت۔"

بوا محمودہ تم اپنے زردے کا حساب تو سناؤ۔"

محمودہ نے حساب کی کتاب اٹھا لائی اور کہا۔ "استانی جی چھ سیر چاول، سیر بھر، پونے تین آنے کے اور ایک پیسے کی ڈنڈیاں اور لونگیں، دو سیر کا گھی ہے، پون پاؤ منگوایا، آدھ پاؤ بگھارتے وقت ڈالا اور چھٹانک بھر کشمش کڑکڑا کر دم دیتے وقت ڈیڑھ آنے کا گھی ہوا، اور چوسیری کھانڈ، سیر بھر چار آنے کی، ایک پیسے کی کشمش۔ کل پونے گیارہ آنے کے پیسے خرچ ہوئے۔ دس لڑکیوں کا ساجھا تھا۔ پونے دو آنے تو میرے تھے اور فضیلت ایک، عقیلہ دو، حسن آرا تین، امتہ اللوہ چار، عالیہ پانچ، سلمیٰ چھ، ام البنین سات، شکیلہ، جمیلہ دونوں بہنیں نو، سب کا ایک ایک آنہ۔"

اصغری نے کہا۔ "محمودہ تم نے دھوکا کھایا۔"

محمودہ نے سوچا تو کہا۔ "ہاں استانی جی، چاولوں میں کوڑیاں بچیں، وہ نامراد بنئے نے ہضم کیں۔ اے ہے، ڈنڈیاں اور لونگیں اس میں آ جاتیں تو ایک پیسہ بچتا۔ دیانت جاتو بنئے سے کوڑیاں لا۔"

اصغری نے کہا۔ "ایں ایں کیا کرتی ہو، کوڑیوں کا معاملہ پرسوں کی بات۔ اب کچھ مت کہو، تمہاری غلطی کی سزا ہے کہ اتنا نقصان سہو۔"

اصغری حسن آرا کی طرف مخاطب ہو کر بولی۔ "زردے کی ترکیب اور لاگت تو معلوم ہوئی،

بھلا دیگچہ بھرا سیر بھر زردہ تم سب نے کیا کیا؟"

حسن آرا نے جواب دیا۔ "منجھولی دور رکابیاں چوٹی دار بھر کر تو اللہ کے نام کی مسجد میں بھیج دیں۔ باقی میں تیرہ طشتریاں بھری گئیں' مکتب میں ہم سب پچیس لڑکیاں ہیں۔ دو دو میں ایک طشتری آئی' تیرھویں طشتری میں میں اکیلی تھی۔"

اصغری نے پوچھا۔ "کیا تم نے دھرا حصہ لیا؟"

حسن آرا بولی۔ "نہیں تو میری طشتری آدھی تھی۔ سب سے پوچھ لیجئے۔"

اصغری نے کہا۔ "پھر تم برادری سے الگ کیوں رہیں؟"

حسن آرا تو چپ ہو گئیں۔

امتہ اللہ نے کہا۔ "استانی جی ان کو سب کے ساتھ کھاتے گھن آتی ہے۔"

حسن آرا نے کہا۔ "نہیں استانی جی گھن کی بات نہیں ہے میں دستر خوان پر سب لڑکیوں سے پیچھے آئی' اس سے اکیلی رہ گئی۔ آپ محمودہ بیگم سے دریافت کر لیجئے۔"

امتہ اللہ نے کہا۔ "کیوں تم ابھی تھوڑی دیر ہوئی۔ میرا جھوٹا پانی پینے پر لڑ چکی ہو؟"

حسن آراء نے کہا۔ "میں لڑی تھی یا صرف اتنی بات کہی تھی کہ جتنی پیاس ہوا کرے' اسی قدر پانی لیا کرو۔ گلاس میں جھوٹا پانی چھوڑ دینا عیب کی بات ہے۔"

پھر اصغری نے محمودہ سے پوچھا۔ وہ رسالہ "الوان نعمت" جو میں نے تم کو دیا تھا' اس میں کے تم سب کھانے پکا کر دیکھ چکیں یا ابھی نہیں؟"

محمودہ نے تھوڑی دیر تامل کر کے کہا۔ "میں اپنی دانست میں سب پکوا چکی ہوں' بلکہ کئی کئی بار نوبت آ چکی ہے' جتنی بڑی لڑکیاں ہیں' معمولی روزمرہ کے کھانوں کی ترکیب سب کو معلوم ہے' اس کے علاوہ ہر قسم کے کباب' سیخ کے پسندوں کے' شامی گولیوں کے' کوفتے پلاؤ' زردہ' متنجن' کچی بریانی' نور محلی' قورمہ پلاؤ' سموسے' میٹھے سلونے' قلمی بڑے' دہی بڑے' سمال' سیو' گھی کی تلی دال' کچوریاں' پاپڑ' بورانی' فیرنی' حلوا' سوہن پیڑی کا' نرم اندرسے کی گولیاں' سب چیزیں بار بار پک چکی ہیں۔ اور سب لڑکیوں نے پکتے دیکھیں' بلکہ اپنے ہاتھوں پکائی ہیں اور یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے مکتب میں ہنڈ کلھیا کا تو نام ہے' جو چیز پکتی ہے' خاصے ایک کنبے کے لائق پکتی ہے' اور حسن آرا کو تو چٹنیوں اور مربوں سے بہت شوق ہے یہ چیزیں ان کے سوائے اور لڑکیاں کم جانتی ہیں۔"

اس کے بعد اصغری نے سفیہن سے کہا۔ "بوا اب تم کو یہاں کی ہنڈ کلھیا کا فائدہ تو معلوم ہو

گیا ہو گا' رات زیادہ گئی بعض لڑکیوں کے گھر دور ہیں' اگر کل آؤ تو گڑیوں کی سیر تم کو دکھائیں۔ اور شام تک رہو تو کہانیاں بھی سنوائیں۔"

سب لوگ رخصت ہوئے' سفیہن چلتے چلتے اصغری کے آگے ہاتھ جوڑ کر کہنے لگی۔ "استانی جی! اللہ میرا قصور معاف کیجئے گا۔"

اگلے روز جو سفیہن آئی تو لڑکیوں کے کشیدے اور لڑکیوں کے بنے ہوئے گوٹے' لڑکیوں کے موڑے ہوئے گوکھرو' لڑکیوں کی بنائی ہوئی ٹوپیاں اور چنپا' لڑکیوں کے قطع کئے ہوئے اور سیئے ہوئے مردانے' زنانے کپڑے' اصغری نے سب دکھائے' جن کے دیکھنے سے سفیہن کو نہایت اچنبھا ہوا۔

اس کے بعد لڑکیوں کی گڑیوں کے گھر دکھائے' ان گھروں میں خانہ داری کا سب لوازمہ' فرش فروش' گاؤ تکیے' اگالدان' چلمچی' آفتابہ' پٹاری' پردہ' چلمن' چھت گیری' پنکھا' مسہری' پلنگ ہر طرح کے برتن ہر طرح کا سامان آرائش اپنے اپنے ٹھکانے سے رکھا ہوا تھا اور گڑیاں ایسی سجی ہوئی تھیں کہ عین مین شادی کے گھر میں مہمان جمع ہیں۔

جب گڑیوں کے گھر کو دیکھ چکی تو اصغری نے سفیہن سے کہا کہ "لڑکیوں کے سب کھیلوں میں مجھ کو گڑیوں کا کھیل بہت پسند ہے' اس کے ذریعے سے لڑکیاں سینا پرونا' کپڑوں کی قطع اور گھر کا بندوبست ہر طرح کی تقریبات' چھٹی' کھیر چٹائی' دودھ چھڑائی' بسم اللہ' روزہ' منگنی' عیدی' سلونی' محرم کی تھلیاں اور گوٹا' تیج تہوار' ساچق' برات' بھوڑا' بیاہ' چالے' چوتھی کی راہ و رسم سے واقفیت حاصل کرتی ہیں۔

بوا سفیہن "تمہاری لڑکی تو ابھی تھوڑے دنوں سے آئی ہے' جو لڑکیاں میرے مکتب میں بہت دنوں سے ہیں' جیسی یہ بیٹھی ہے' ام البنین یا میری نند محمودہ یا حسن آرا' توبہ توبہ کر کے کہتی ہوں کہ اگر ان کو کسی بڑے' بھرے پرے گھر کا انتظام اس وقت سونپ دیا جائے تو انشاء اللہ ایسا کریں گی جیسے کوئی بڑی مشاق' کھیلی کھائی ہوئی کرتی ہیں۔ میں تو صرف پڑھنے پر تاکید نہیں کرتی' ان کو دنیا کے کام کا بتاتی ہوں' جو چند روز بعد ان کے سر پر پڑے گا۔"

یہ کہہ کر اصغری نے حسن آراء کو بلایا اور کہا۔ "کہ بوا تمہارا گڑیا کا گھر تو خوب آراستہ ہے' صرف ایک کسر ہے کہ تمہاری گڑیوں کے پاس رنگین جوڑے نہیں معلوم ہوتے شاید تم کو رنگنا نہیں آتا۔"

حسن آرا نے کہا۔ "رنگ تو مجھ کو محمودہ بیگم نے بہت سکھا دیے ہیں' یوں ہی نہیں

رنگے۔"

اصغری نے کہا۔ "بھلا بتاؤ تو"

حسن آرا بولی۔ استانی جی

برسات کے رنگ۔ سرخ' نارنجی' گل انار' گل شفتالو' سردئی' دھانی' اودا۔

اور جاڑے کے۔ گیندئی' جوگیا' عنابی' بیلیا' کاکریزی' سیاہ' نیلا' گلابی' زعفرانی' کوئی' کرنجوی۔

اور گرمی کے۔ پیازی' آبی' چنپئی' کپاسی' بادامی' کافوری' دودھیا' خشخاشی' فالسئی' ملاگیری' سیندوریا۔

اور رنگ تو بہت سے ہیں مگر میں نے وہی بیان کیے جو اکثر پہنے جاتے ہیں۔

اصغری نے پوچھا۔ "رنگوں کے نام تو بہت سے گنوا دیے' بھلا یہ تو بتاؤ کہ یہ سب رنگ تم کو رنگنے آتے ہیں؟"

حسن آرا نے کہا۔ "میں نے انھیں رنگوں کا نام لیا جو مجھ کو خود رنگنے آتے ہیں؟" اصغری نے کہا۔ "بھلا بتاؤ تو سردئی کیوں کر رنگتے ہیں؟"

حسن آرا نے کہا' کاہی قند' اچھی گہرے رنگ کی آدھ گز منگوائی اور پانی کو خوب جوش دے کر کے پھٹکری ڈال دی اور اوپر سے قند کا ٹکڑا ڈال کر ہلا دیا۔ پھٹکری کی تاثیر سے قند کا رنگ کٹ جائے گا۔ پس اس میں کپڑا رنگ لیا۔"

اصغری نے کہا۔ "بھلا اور جو قند نہ ملے۔"

حسن آرا نے کہا' تو ٹیسو کے پھولوں کو جوش کر کے پھٹکری پیس ملا کر دے۔ سردئی ہو جائے گا۔ لیکن ہلکا کپاسی ہو گا' اچھا سردئی بے قند کے رنگا نہیں جاتا اور اگر قند کی جگہ بانات کا رنگ کاٹا جائے تو وہ عمدہ رنگ آتا ہے کہ سبحان اللہ' لیکن ان دنوں جشن ایسا چلا ہے کہ سب رنگوں کو مات کیا ہے' کپڑے تو کپڑے' مٹھائی کھانے کا گوٹا' جشن میں نہایت خوش رنگ رنگا جاتا ہے۔ بڑی آپا جان نے جشن کے رنگ کا زردہ پکا کر بھیجا تھا۔ زعفران سے بہتر رنگ تھا۔"

اصغری خانم نے گھبرا کر پوچھا۔ "حسن آرا کہیں تم نے وہ جشن کے رنگے ہوئے چاول تو نہیں کھائے؟"

حسن آرا نے کہا۔ "میں نے تو نہیں کھائے' لیکن استانی جی کیوں کیا کچھ بری بات ہے؟"

اصغری خانم نے کہا۔ "اے ہے جشن میں سنکھیا پڑتی ہے خبردار جشن کی کوئی چیز زبان پر مت

رکھنا۔"

حسن آرا نے کہا۔ "میں نے تو مجیٹھ کا رنگا ہوا گوٹا محرم میں بہت کھایا ہے۔"

اصغری خانم نے کہا۔ "کیا ہوا؟ رتی برابر منجٹھ میں تو بہتیرا گوٹا رنگا جاتا ہے۔ اس سبب سے تم کو کچھ نقصان نہ کیا' لیکن یاد رکھو کہ اس میں زہر ہے۔

حسن آرا نے کہا۔ "مجیٹھ کی رنگی ہوئی مٹھائی لوگ منوں کھاتے ہیں۔"

اصغری خانم نے کہا۔ "بہت برا کرتے ہیں' زہر جب اپنی مقدار پر پہنچ جائے گا' ضرور اثر کرے گا۔"

شام ہوئی تو لڑکیاں اپنے کشیدے اور کتابیں رکھ رکھا' معمول بموجب کھیلنے اور کہانیاں اور پہیلیاں کہنے سننے کو آ بیٹھیں۔

اصغری نے سفیہن سے کہا۔ "کہ یہاں چڑے چڑیا کی کہانیاں نہیں ہوتیں۔ کہانیوں کی ایک بہت عمدہ کتاب ہے جس میں بڑی اچھی اچھی کہانیاں ہیں اور ہر ایک کہانی سے ایک نصیحت کی بات نکالی ہے۔ اس کتاب کی زبان بھی بہت شستہ ہے' اب یہ لڑکیاں اسی کتاب کی کہانیوں سے جی بہلائیں گی۔ کہانیاں کہنے سے ان کی تقریر صاف ہوتی ہے۔ ادائے مطلب کی استعداد بڑھتی جاتی ہے' اور جب کبھی مجھ کو فرصت ہوتی ہے تو میں کہانیوں کے بیچ میں ان سے الجھتی جاتی ہوں اور جیسی ان کی سمجھ ہے' یہ میری بات کا جواب دیتی ہے' اگر نادرست ہوتا ہے۔ میں بتا دیتی ہوں' پہیلیوں کے بوجھنے سے ان کی عقل کو ترقی اور ان کے ذہن کو تیزی ہوتی ہے لیکن تم ان میں بیٹھ کر سیر دیکھو مجھ کو آج عالیہ کی ماں نے بلا بھیجا ہے ان کے بچے کا جی اچھا نہیں' بہت بہت منتیں کہلا بھیجی ہیں نہ جاؤں گی تو برا مانیں گی اور میرا جی بھی نہیں مانتا"

سفیہن بولی۔ "ہاں میں نے بھی سنا ہے کہ ان کے لڑکے نے کئی دن سے دودھ نہیں پیا' بے چاری بہت ہراساں ہو رہی ہے۔ اے ہے' خدا کرے نگوڑا جیتا رہے' بڑے اللہ آمین کا بچہ ہے۔ دس برس میں پھڑک پھڑک کر خدا نے یہ صورت دکھائی ہے۔ عالیہ کے اوپر یہی تو ایک بچہ ہوا ہے استانی جی! تم کو علاج کے واسطے بلایا ہو گا؟"

اصغری نے کہا۔ "علاج ولاج تو مجھ کو کچھ بھی نہیں آتا' ایک مرتبہ پہلے اس لڑکے کو پیاس ہو گئی تھی' میں نے زہر مہرہ' بنسلوچن' گلاب کا زیرہ' چھوٹی الائچی' زیرے کی گری' کباب چینی' خرفہ اس طرح کی دو چار دوائیں بتا دی تھیں' خدا کا کرنا لڑکا اچھا ہو گیا۔"

سفیہن نے کہا۔ "استانی جی! تم سب گنوں پوری ہو۔"

اصغری خانم بولی۔ "اس میں گُن کی کیا بات ہے؟ ہمارے میکے میں دوا درمن کا بہت خیال ہے، جب میں چھوٹی تھی جو دوا آتی میں ہی اس کو چھانتی، بناتی اور خیال رکھتی۔ اس طرح پر سنی سنائی دو چار دوائیں یاد ہیں۔ جس کو ضرورت ہوئی بتا دی اور بچوں کا علاج تو عورتیں ہی کر کرایا کرتی ہیں جب ایسی ہی مشکل آ پڑتی ہے تو حکیم کے پاس لے جاتے ہیں۔"

سفیہن نے کہا۔ "استانی جی! تم نے مہربانی کر کے مجھ کو اپنے مکتب کا سب انتظام تو دکھایا اللہ ذرا دم کے دم ٹھیر جاؤ تو میں دیکھ لوں۔ لڑکیاں کیوں کر کہانیاں کہتی ہیں اور کہانیوں میں تم کیوں کر تعلیم کرتی ہو؟"

اصغری نے کہا۔ "بوا مجھ کو تو دیر ہوتی ہے، پر خیر تمہاری خاطر، اچھا لڑکیو آج کس کی باری ہے؟"

محمودہ نے کہا۔ "باری تو امتہ اللہ کی ہے لیکن فضیلت سے کہلایئے۔"

اصغری نے کہا۔ "اچھا فضیلت کوئی بہت چھوٹی سی کہانی کہو۔"

فضیلت نے کہانی شروع کی۔

ایک تھا بادشاہ۔۔۔۔۔

اصغری نے پوچھا۔ "بادشاہ کس کو کہتے ہیں؟"

فضیلت بولی۔ "جیسے دلی میں بہادر شاہ تھے۔"

اصغری۔ "یہ تو تم نے ایسی بات کہی کہ جو دلی اور بہادر شاہ کو جانتا ہو، وہی سمجھے۔"

فضیلت نے کہا۔ "بادشاہ حاکم کو کہتے ہیں۔"

اصغری۔ "تو کوتوال، تھانے دار بھی بادشاہ ہیں۔"

فضیلت۔ "نہیں، کوتوال، تھانے دار تو بادشاہ نہیں ہیں۔ یہ تو بادشاہ کے نوکر ہیں۔"

اصغری۔ "کیوں؟ کیا کوتوال حاکم نہیں ہے۔"

فضیلت۔ "حاکم تو ہے لیکن بادشاہ سب سے بڑا حاکم ہوتا ہے اور سب پر حکم چلاتا ہے۔"

اصغری۔ "تو ہمارا بادشاہ کون ہے؟"

فضیلت۔ "جب سے بہادر شاہ کو انگریز پکڑ کر کالے پانی لے گئے، تب سے تو کوئی بادشاہ نہیں ہے۔"

یہ سن کر سب لڑکیاں ہنس پڑیں۔

[illegible] ی نے کہا۔ "تم بڑی بے وقوف ہو۔ تم نے خود کہا کہ جو سب سے بڑا حاکم ہو اور سب پر

حکم چلائے وہ بادشاہ ہوتا ہے۔" اور یہ بھی جانتی ہو کہ بہادر شاہ کو انگریز پکڑ کر کالے پانی لے گئے۔ تو انگریز بادشاہ ہوئے یا نہ ہوئے؟"

فضیلت۔ "ہاں ہوئے تو سہی۔"

اصغری۔ "اچھا اب بتاؤ' ہمارا بادشاہ کون ہے؟"

فضیلت۔ "انگریز"

اصغری۔ "کیا انگریز کسی خاص شخص کا نام ہے؟"

فضیلت۔ "نہیں سینکڑوں ہزاروں انگریز ہیں۔"

اصغری۔ "کیا یہ سب انگریز بادشاہ ہیں؟"

فضیلت۔ "اور کیا۔؟"

یہ سن کر پھر لڑکیاں ہنسیں۔

اصغری نے حسن آرا کی طرف اشارہ کیا کہ تم جواب دو۔

حسن آرا۔ "استانی جی ہمارا بادشاہ ملکہ وکٹوریا ہے۔"

اصغری۔ "مرد ہے یا عورت؟"

حسن آرا۔ "عورت ہے۔"

اصغری۔ "کہاں رہتی ہے؟"

حسن آرا۔ "لندن میں۔"

اصغری۔ "لندن کہاں ہے؟"

حسن آرا۔ "انگریزوں کی ولایت میں ایک بہت بڑا شہر ہے۔"

اصغری۔ "کتنی دور ہو گا؟"

حسن آرا۔ "میں نے ایک کتاب میں پانچ ہزار کوس لکھا دیکھا ہے۔"

اصغری۔ "کوس کتنا لمبا ہوتا ہے؟"

حسن آرا۔ "استانی جی سلطان نظام الدین کو تین کوس کہتے ہیں۔"

یہ سن کر محمودہ ہنسی اور کہا۔ "۱۷۶۰ گز کا ہوتا ہے۔"

اصغری نے محمودہ سے پوچھا۔ "کہ اس مرتبہ جو میں قطب صاحب گئی تھی اور تم بھی میرے ساتھ تھیں۔ تم نے بھی دیکھا تھا کہ تھوڑی تھوڑی دور سڑک پر پتھر گڑے تھے اور پتھروں پر لکھا ہوا تھا' وہ پتھر کیسے تھے؟"

محمودہ۔ "میں نے اٹل سے یہی سمجھا تھا کہ کوسوں کے پتھر ہیں لیکن گاڑی ایسی تیز تھی کہ پتھروں پر نگاہ نہیں جمتی تھی' میں خوب نہیں پڑھ سکی کہ ان پر کیا لکھا تھا؟"

اصغری۔ "وہ کوسوں کے پتھر نہیں تھے' میلوں کے پتھر تھے' آدھے کوس کا میل ہوتا ہے اور ہر میل پر پتھر گڑا ہے' اس میں یہی لکھا ہوتا ہے کہ یہاں سے دلی اس قدر میل ہے اور قطب صاحب اتنے میل۔"

اس کے بعد اصغری پھر حسن آرا کی طرف مخاطب ہوئی اور پوچھا۔ "ہاں بوا! لندن کس طرف ہے؟"

حسن آرا۔ "اتر میں ہے۔"

اصغری۔ "وہ ملک گرم ہے یا سرد؟"

حسن آرا۔ "یہ تو میں نہیں جانتی۔"

محمودہ۔ "بڑا سرد ہے۔ جتنا اتر کو جاؤ گرمی کم ہے اور جتنا دکھن کو چلو۔ گرمی زیادہ ہوتی جاتی ہے۔"

سفیہن۔ "اچھی استانی جی عورت بادشاہ ہے؟"

اصغری۔ "اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟"

سفیہن۔ "تعجب کی بات کیوں نہیں ہے۔ عورت ذات کیا کرتی ہوگی؟"

اصغری۔ "جو مرد بادشاہ کرتے ہیں' وہی عورت کرتی ہے۔ ملک کا بندوبست' رعیت کا پالنا۔"

سفیہن۔ "عورت تو کیا کرتی ہوگی؟ کرتے سب کچھ انگریز ہوں گے' برائے نام عورت کو بادشاہ بنا رکھا ہوگا۔"

اصغری۔ "سب انگریز ملکہ کے نوکر ہیں۔ ہر ایک کا کام الگ ہے' ہر ایک کا اختیار جدا ہے' اپنے اپنے کام پر سب مستعد رہتے ہیں اور جب مرد بادشاہ ہوتے ہیں' تب بھی وزیر وزراء سب کام کیا کرتے ہیں۔"

سفیہن۔ "میرا جی تو قبول نہیں کرتا کہ عورت ذات بادشاہت کر سکے۔"

اصغری۔ "بھوپال کی بیگم کا نام سنا ہے؟"

سفیہن۔ "کیوں! سنا کیوں نہیں۔ خود میرے سسرے بھوپال میں نوکر ہیں۔"

اصغری۔ "بس اس طرح سمجھ لو' بھوپال ذرا سا ملک ہے اور ملکہ وکٹوریا کے پاس بڑی سلطنت ہے' جس طرح بھوپال کی بیگم اپنے چھوٹے ملک کا بندوبست کرتی ہیں' ملکہ وکٹوریا اپنی

بڑی سلطنت کا انتظام کرتی ہیں۔ بھوپال چھوٹی سرکار ہے' نوکر چاکر کم ہیں اور تھوڑی تنخواہ پاتے ہیں' ملکہ وکٹوریا کی سرکار بڑی عالی جاہ سرکار ہے' بڑے کارکانے' لاکھوں نوکر' تنخواہیں بیش قرار۔"

سفیہن۔ "اچھی ملکہ کا کوئی میاں ہے؟"

اصغری۔ "ہاں مگر موت پر کسی کا زور نہیں چلتا' چاند کو بھی خدا نے داغ لگا دیا ہے' کئی برس ہوئے ملکہ بیوہ ہو گئیں۔"

سفیہن۔ "ملکہ کی اولاد ہے؟"

اصغری۔ "ہاں خدا رکھے' بیٹے' پوتے' نواسیاں سب کچھ ہیں۔"

سفیہن۔ "اچھی ملکہ اس ملک میں کیوں نہیں آتیں؟"

اصغری۔ "وہاں بھی بڑا ملک ہے' وہاں کے کاموں سے فرصت نہیں ملتی۔ لیکن ان دنوں ملکہ کا بیٹا آنے والا ہے بڑی تیاریاں ہو رہی ہیں' میں نے اخبار میں دیکھا ہے۔"

سفیہن۔ "اچھی ملکہ کو ہزاروں کوس دور بیٹھے یہاں کی کیا خبر ہوتی ہو گی؟"

اصغری۔ "کیوں نہیں۔ ذرا ذرا خبر ہوتی ہے۔ ڈاک اور تار' برقی پر' رات دن خبریں آتی جاتی ہیں' ہزاروں اخبار ولایت جاتے ہیں۔"

سفیہن۔ "ملکہ کو کیوں کر دیکھیں؟"

اصغری۔ "کیوں کر بتاؤ؟ ان کی تصویر البتہ دیکھ سکتی ہو۔"

سفیہن۔ "خیر تصویر ہی دیکھ لیتے!"

"بوا تم بھی تماشے کی باتیں کرتی ہو کیا تم نے روپیہ نہیں دیکھا؟"

سفیہن۔ "کیوں نہیں دیکھا؟"

اصغری۔ "عورت کا چہرہ جو بنا ہے' وہ ملکہ کی تصویر ہے' خطوں کے ٹکٹ پر ملکہ کی تصویر ہے اور میرے پاس ملکہ کی ایک بڑی عمدہ تصویر اور ہے' میرے ابا کو کسی انگریز نے دی تھی' وہ انہوں نے میرے پاس بھیج دی تھی۔

محمودہ! میرا صندوقچہ تو اٹھا لاؤ۔"

صندوقچے میں سے اصغری نے ملکہ کی تصویر نکال کر دکھائی اور سب لڑکیوں نے نہایت شوق سے ملکہ کی تصویر کو دیکھا۔

سفیہن۔ "کیا اچھی تصویر ہے' عین مین ملکہ کھڑی ہے۔"

اصغری۔ "بیشک یہ تصویر ہو بہو ملکہ کی ہے' روپے کے چہرے سے ملا کر دیکھو کتنا فرق ہے؟ یہ تصویر ہاتھ کی بنائی ہوئی نہیں ہے' ایک آئینہ ہوتا ہے اس کو کچھ مصالحہ لگا کر سامنے رکھ دیتے ہیں۔ خود بخود جیسے کا تیسا عکس اتر آتا ہے۔"

سفیہن۔ "حسن آرا نے لندن کو پانچ ہزار کوس دور بتایا تو کہیں برسوں میں یہاں سے وہاں تک آتے جاتے ہوں گے؟

اصغری۔ "نہیں' سمندر در سمندر ایک مہینے میں بافراغت پہنچ جاتے ہیں۔"

سفیہن۔ "اے ہے' سمندر ہو کر جانا پڑتا ہے؟ انگریزوں کے بھی کیسے دل ہیں؟ ان کو سمندر سے ڈر نہیں لگتا؟ میرے تو سمندر کا نام سننے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں؟"

اصغری خانم۔ "سمندر سے ڈرنے کی کیا بات ہے؟ مزے میں جہاز میں بیٹھ لئے' اچھا خاصا خانہ رواں بن گیا۔"

سفیہن۔ "اے ہے۔ استانی جی! ڈوبے کا کیسا بڑا کھٹکا ہے' لو پار سال کی بات ہے کہ نواب قطب الدین خاں صاحب کے ساتھ میری خلیا ساس بھی حج کو گئی تھیں کچھ ایسی گھڑی کی گئیں کہ پھر لوٹ کر آنا نصیب نہ ہوا۔

اصغری خانم۔ "ہاں اتفاق کی بات ہے جہاز کبھی کبھار ڈوب بھی جاتے ہیں اور اگر خدانخواستہ آئے دن ڈوبا کریں تو سفر دریا کا کوئی نام نہ لے۔ اب تو دریا کا راستہ خشکی کی سڑکوں سے زیادہ آباد ہو رہا ہے' ہزاروں لاکھوں جہاز رات دن آتے جاتے رہتے ہیں۔ انگریزی اذر ان کے بیوی بچے اور کل انگریزی اسباب' سب جہاز کی راہ یہاں آتا ہے۔

سفیہن۔ "انگریزوں کی عورتوں کا کیا ذکر' وہ تو کچھ اور ہی طرح عورتیں ہیں۔ ہماری اور ان کی کیا ریس' وہ تو باہر پھرتیاں[1] ہیں سنتی ہوں' ننھے ننھے بچوں کو ولایت بھیج دیتی ہیں اور ان کا دل نہیں کڑھتا' نہیں معلوم کس قسم کی مائیں ہیں؟ کیوں کر ان کے دل کو صبر آتا ہے؟ پھر باہر کی پھرنے والیاں اور لوہے کے دل' ان کو ایک سمندر کیا' ہوا پر اڑنا بھی کچھ مشکل نہیں۔"

اصغری خانم۔ "باہر کے پھرنے کی جو تم نے کہی' تو ان کے ملک میں پردے کا دستور نہیں' غدر کے دنوں میں ہم لوگ ایک گاؤں بھاگ کر گئے تھے' وہاں بھی پردے کا دستور نہ تھا سب کی بہو بیٹیاں باہر نکلتیاں[1] تھیں لیکن میں تو چار مہینے وہاں رہی' باہر کی پھرنے والیوں میں وہ شرم و لحاظ دیکھا کہ خدا ہم سب پردے والیوں کو نصیب کرے اور بچوں کو ولایت بھیج

---

[1] پھرتی۔ نکلتی

دینے سے تم نے کیوں سمجھا کہ اولاد کی محبت نہیں' البتہ ان لوگوں کی محبت عقل کے ساتھ ہے'
یہاں کی ماؤں کی طرح باؤلی محبت نہیں کہ اولاد کو پڑھنے سے روکیں' ہنر حاصل کرنے سے
باز رکھیں۔ نام کو تو محبت اور حقیقت میں اولاد کے حق میں کانٹے بوتی ہیں اولاد کو ناہموار
اٹھاتی جاتی ہیں اور محبت کا نام بدنام کرتی ہیں۔"

(یہاں پہنچ کر سب نے سکوت کیا تو فضیلت نے اپنی کہانی پھر شروع کی)

اور اس بادشاہ کے کوئی بیٹا نہ تھا' اکیلی ایک بیٹی تھی' بادشاہ نے یہ سمجھ کر کہ میرے بعد یہی لڑکی وارث سلطنت ہوگی۔ اس لڑکی کو خوب پڑھوایا لکھوایا' اور ملک داری کا قانون قاعدہ سب اس کو اچھی طرح سکھایا اور اپنے جیتے جی اس کو ملک کا کام سونپ دیا۔

فضیلت یہاں تک پہنچی تھی کہ اصغری خانم نے کہا۔ "بوا تم تو جھپ جھپ کہانی کہتی جاتی ہو اور میرے دل میں پوچھنے کو ہزاروں باتیں بھری ہیں' پر کیا کروں' دن تو ہو چکنے پر آیا اور مجھ کو عالیہ کے گھر جانا ضرور ہے' شام کے وقت کسی کے گھر عیادت کو جانا بھی منع ہے۔ میں تو اب نہیں ٹھہر سکتی۔ تم لڑکیاں آپس میں کہو سنو" اور سفیہن سے کہا کہ لو بوا! اللہ بیلی' میں تو جاتی ہوں' تمہارا دل چاہے تو تم بیٹھی رہو' یا کل پھر آ جانا' یہاں تو روز یہی ہوا کرتا ہے۔"

غرض اصغری خانم تو عالیہ کے گھر روانہ ہوئیں اور سفیہن تو ایسی رچھیں کہ پہر رات تک لڑکیوں میں بیٹھی رہ گئیں۔

اصغری خانم کے پیچھے محمودہ اور حسن آرا نے کہانی کے بیچ میں خوب خوب مزے کی باتیں نکالیں۔

اس بیان سے اصغری کے مکتب کا انتظام اور اس کی تعلیم و تلقین کا طریقہ بخوبی ظاہر ہے۔

اصغری بے شک حسن آرا کو بہت چاہتی تھی۔ اور اس سے زیادہ اپنی نند محمودہ کو' حسن آرا کو اس خوبی سے پڑھایا کہ دو برس میں فارسی لکھنے لگی اور اردو میں خط لکھ لیتی تھی۔ نہ تو وہ بدمزاجی حسن آرا کی باقی رہی' نہ وہ چڑچڑا پن' بڑی غریب ننھی پڑھی ہنس مند' پیاری بیٹی بن گئی۔

جمال آرا کا برسوں اجڑا ہوا گھر اصغری کی بدولت خدا نے پھر آباد کیا لیکن یہ تمام قصہ دوسری کتاب میں لکھا جائے گا۔

خلاصہ کلام یہ کہ چھوٹے تا تمام گھر چھوٹے بڑے اصغری کے پاؤں دھو دھو کر پیتے تھے۔ سلطانہ بیگم نے لاکھ لاکھ منتیں کیں کہ اصغری کچھ لے مگر اس خدا کی بندی نے کچھ نہ لیا۔ جب

حسن آرا کا بیاہ ہونے لگا تو بڑے حکیم صاحب نے مولوی محمد فاضل کا دباؤ ڈال کر اصغری کو ہزار روپے کے جڑاؤ کڑے دیے اور کہا۔ "سنو تم میری پوتی اور نواسیوں کے برابر ہو۔ میں تم کو استانی گری کی رو سے نہیں دیتا بلکہ اپنا بچہ سمجھ کر دیتا ہوں۔" ادھر مولوی صاحب نے سمجھایا تو اصغری نے کڑے لے لیے۔

بیان میں ہم دوسری بات لکھنے لگے۔

ادھر تو اصغری اپنے مکتب میں مصروف تھی ادھر محمد کامل بے روزگاری سے گھبراتا تھا۔

ایک دن اصغری سے کہنے لگا کہ "اب میرا جی بہت گھبراتا ہے، اگر تمہاری صلاح ہو تو میں تحصیل دار کے پاس پہاڑ پر چلا جاؤں اور ان کے ذریعے سے نوکری تلاش کروں۔"

اصغری نے تھوڑی دیر تامل کر کے کہا کہ "ابا جان تو اب بڈھے ہوئے ہیں۔ مناسب یہ ہے کہ گھر نوکری کرنی تو بہت ضرور ہے ابا جان اب بڈھے ہوئے، مناسب یہ ہے کہ وہ گھر بیٹھیں اور تم کما کر ان کی خدمت کرو۔ علاوہ اس کے محمودہ بڑی ہوتی جاتی ہے میں اس کی منگنی کی فکر میں ہوں اور ارادہ یہ ہے کہ بہت اونچی جگہ اس کا بیاہ ہو اور میں تدبیر کر رہی ہوں۔ انشاء اللہ اسی برس بات ٹھیری جاتی ہے لیکن اس کے واسطے بڑا سامان درکار ہو گا اور اس وقت تک کسی قسم کی کوئی چیز موجود نہیں، بھائی جان لوگ تو الگ ہیں اور پھر ایسی تھوڑی نوکری میں ان کی اپنی گزر نہیں ہو سکتی۔ دوسرے کو کہاں سے دے سکتے ہیں۔ پس سوائے اس کے کہ تم نوکری کرو اور کوئی صورت نہیں۔ لیکن پہاڑ پر جانے کی میری صلاح نہیں ابا تمہارے واسطے کوشش کریں گے اور غالب ہے کہ جلد تر تم کو اچھی نوکری بھی مل جائے لیکن کسی کا سہارا پکڑ کر نوکری کرنا کچھ ٹھیک بات نہیں۔ بلا سے تھوڑی ہو، پر اپنے قوت بازو سے ہو گو ابا کوئی غیر نہیں ہیں۔ رشتے میں بھی تم سے ان کا ہاتھ اونچا ہے، ان سے لینا کیا بلکہ مانگنا بھی عیب نہیں پھر بھی خدا کسی کا احسان مند نہ کرے۔ سدا کو آنکھ جھک جاتی ہے۔ انہوں نے منہ پر نہ رکھا تو کنبے میں اللہ رکھے سو آدمی ہیں منہ در منہ نہ کہیں گے تو پیچھے پیچھے ضرور کہیں گے کہ دیکھو سسرے کے سہارے سے نوکر ہوئے۔

محمد کامل نے کہا۔ "پھر کیا کروں؟ لاہور چلا جاؤں۔"

اصغری نے کہا "لاہور میں کیا ہے؟ رئیس کی سرکار خود تباہ ہے ابا جان کو بھی نہیں معلوم پہلے کا لحاظ مان کر کس طرح پچاس روپے دیتا ہے، نئے آدمی کی گنجائش اس کی سرکار میں کہاں؟"

محمد کامل نے کہا۔ "اور بہت سرکاریں ہیں۔"

اصغری نے کہا۔ "جب سے انگریزی ہوئی' سب رئیس اسی طرح تباہ ہیں' پچھلے نام و نمود کو سب نباہتے ہیں' اس سے دس پانچ صورتیں ان کے یہاں لگی لپٹی رہتی ہیں۔ سو بھی کیا' خاک برسوں تنخواہ نہیں ملتی۔"

محمد کامل نے کہا۔ "پھر کیا علاج؟"

اصغری نے کہا۔ "انگریزی نوکری تلاش کرو۔"

محمد کامل نے کہا۔ "انگریزی نوکری تو بے سعی سفارش کے نہیں ملتی' ہزاروں' لاکھوں آدمی مجھ سے بہتر بہتر مارے پھرتے ہیں' کوئی نہیں پوچھتا۔"

اصغری نے کہا۔ "ہاں یہ سچ ہے' لیکن جب آدمی کسی بات کا ارادہ کرے تو خدا پر توکل کر کے ناامیدی کا تصور ذہن میں نہ آنے دے' مانا ہزاروں نوکری کی جستجو میں لاحاصل پھرتے ہیں لیکن جو نوکر ہیں وہ بھی تمہیں ایسے آدمی ہیں اور بات کی ایک بات تو یہ ہے کہ نوکری تقدیر سے ملتی ہے' بڑے لائق دیکھتے رہ جاتے ہیں اور اگر خدا کو دینا منظور ہوتا ہے تو نہ پیلہ ہے' نہ لیاقت' چھپڑ پھاڑ کر دیتا ہے۔ گھر سے بلا کر نوکر رکھ لیتے ہیں۔"

محمد کامل نے کہا۔ "تو غرض یہ ہے گھر بیٹھا رہوں؟"

اصغری نے کہا۔ "یہ ہرگز میرا مطلب نہیں ہے' جہاں تک اپنے سے ہو سکے ضرور کوشش کرنی چاہئے۔"

محمد کامل نے کہا۔ "یہی تو مشکل ہے کہ کیا کوشش کروں؟"

اصغری نے کہا۔ "جو لوگ نوکری پیشہ ہیں' ان سے ملاقات پیدا کرو' ان سے محبت بڑھاؤ۔ ان کے ذریعے سے تم کو نوکری کی خبر لگتی رہے گی اور انہیں کے ذریعے سے تم کسی حاکم تک پہنچ جاؤ گے۔"

محمد کامل نے یہی کیا کہ نوکری والوں سے ملاقات کرنی شروع کی' یہاں تک کہ سررشتے دار' تحصیل دار' ایسے لوگوں میں بھی آنے جانے لگا۔ روز کے آنے جانے سے سب کو معلوم ہوا کہ ان کو بھی نوکری کی جستجو ہے۔

یہاں تک کہ بندہ علی بیگ نے جو کچہری میں اظہار نویس تھے' محمد کامل سے کہا کہ میاں نوکری کی تلاش ہے؟ تو میرے ساتھ کچہری چلا کرو' چندے' امیدواری کرو' سررشتے کے کام سے واقفیت پیدا کرو' حاکموں کو صورت دکھاؤ۔ اسی طرح کبھی نہ کبھی ڈھب لگ جائے گا۔

محمد کامل کچہری جانے لگا۔ اور بندہ علی بیگ کے ساتھ کام کیا کرتا تھا' یہاں تک کہ حاکم سے

دستخط کرا لاتا۔ حاکم لوگ اس کو جاننے لگے، اسی اثناء میں چھوٹے چھوٹے عہدے داروں کی دو چار عوضیاں بھی محمد کامل کو مل گئیں، کسی عملے کو رخصت کی ضرورت ہوئی، وہ آدھی تہائی تنخواہ پر اس کو عوضی دے گیا۔ یہاں تک کہ اتفاق سے ایک دس روپے کا روزنامہ نویس تین مہینے کی رخصت پر گیا تھا، تین مہینے بعد اس نے استعفیٰ بھیج دیا، اور مولوی محمد کامل اس کی جگہ مستقل ہو گئے۔

کبھی کبھی اصغری سے نوکری کا تذکرہ آتا تو محمد کامل حقارت کے ساتھ کہا کرتا تھا۔ "کیا واہیات نوکری ہے، دن بھر پیسا اور دس روپے، نہ اوپر سے کچھ پیدا ہے، نہ آئندہ کو ترقی کی امید میں تو اس کو چھوڑ دوں گا۔"

اصغری ہمیشہ ایسے خیالات پر ملامت کرتی کہ سخت درجہ کی ناشکری تم کرتے ہو وہ دن بھول گئے کہ امیدواری بھی نصیب نہ تھی یا اب برسرکار ہو تو قدر نہیں کرتے۔ گھر کے گھر میں دس روپے کیا کم ہیں۔ اپنے بڑے بھائی کو دیکھو کہ کئی برس تک سوداگر کے یہاں دس روپے کی نوکری کرتے رہے اور جب تم نوکری سے ایسے دل برداشتہ ہو تو تم سے کام بھی کیا خاک ہوتا ہو گا۔ آخر کو نوکری خود چھوٹ جائے گی۔ اور اسی طرح تھوڑے سے بھی بہت ہوتا ہے۔ ہمارے ابا پہلے آٹھ روپے مہینے کے نقل نویس تھے۔ اب خدا کے فضل سے تحصیل دار ہیں اور خدا نے چاہا تو اور بھی بڑھیں گے۔ اوپر کی آمدنی پر کبھی بھول کر بھی نظر مت کرنا۔ حرام کے مال میں ہرگز برکت نہیں ہوتی۔ تقدیر سے بڑھ کر مل نہیں سکتا۔ پھر آدمی نیت کو ڈانواں ڈول کیوں کرے۔ اگر اس سے زیادہ ملنے والا ہے تو خدا حلال سے بھی دے سکتا ہے۔"

غرض اصغری ہمیشہ محمد کامل کو سمجھاتی رہتی تھی۔

یہاں تک کہ جس حاکم کے پاس محمد کامل نوکر تھا۔ اس کی بدلی سیالکوٹ کو ہوئی یہ حاکم محمد کامل پر بہت مہربانی کرتا تھا۔ دن کو کچہری میں یہ حال معلوم ہوا۔ شام کو محمد کامل گھر میں آیا تو بہت افسردہ خاطر تھا۔

اصغری نے پوچھا۔ "خیریت ہے آج کیوں اداس ہو؟"

محمد کامل نے کہا۔ "کیا بتاؤں جیمس صاحب کی بدلی سیالکوٹ کو ہو گئی۔ وہی تو اپنے ایک مہربان حال تھے۔ اب کچہری میں رہنے کا مزہ نہیں۔"

اصغری نے بہت دیر تک سکوت کیا پھر کہا۔ "کہ بے شک جیمس صاحب کا بدل جانا افسوس کی بات ہے، لیکن نہ اس قدر جتنا تم کو ہے دوسرا جوان کی جگہ آئے گا خدا اس کے دل میں بھی

رحم ڈال دے گا۔ آدمی کو آدمی پر بھروسہ نہیں رکھنا چاہیے۔

اصغری نے پوچھا۔ "جیمس صاحب، کب جائیں گے؟"

محمد کامل نے کہا۔ "کل شام کو ڈاک میں سوار ہو جائیں گے۔"

اصغری نے کہا۔ "تم ان کے بنگلے پر نہیں گئے؟"

محمد کامل نے کہا۔ "اب کیا جاتا؟"

اصغری نے کہا۔ "یہی تو ملنے کا وقت ہے۔ کچھ نہ ہو گا تو کوئی چٹھی پروانہ تم کو دے جائیں گے۔"

محمد کامل نے کہا۔ "اچھا صبح کو جاؤں گا۔"

بہت سویرے کپڑے پہن پہنا محمد کامل جیمس صاحب کے بنگلے پر گیا۔

جیمس صاحب نے کہا۔ "محمد کامل ہم اب سیالکوٹ جاتا ہے اور ہم تم سے بہت راضی تھا' اب تم چاہے تو ہمارے ساتھ سیالکوٹ چلے' ہم تم کو وہاں نوکری دے گا۔ نہیں اپنے پاس سے پندرہ روپے دے گا۔'

محمد کامل نے سوچ کر کہا "کہ اس کا جواب حضور کو پھر حاضر ہو کر دوں گا' اپنی والدہ سے پوچھ لوں۔"

غرض محمد کامل گھر لوٹ کر آیا تو ذکر کیا کہ جیمس صاحب مجھ کو ساتھ لیے جاتے ہیں۔

محمد کامل کی ماں نے سنتے ہی غل مچایا۔

اصغری بھی سناٹے میں ہو گئی۔

آخر محمد کامل نے پوچھا۔ "کہ صاحبو بتاؤ کہ میں جا کر کیا جواب دوں؟"

محمد کامل کی ماں بولیں۔ "کہ جواب کیا دینا ہے اب کیا وہ تیرے لیے بیٹھا رہے گا' یا تیرے لیے سپاہی بھیج رہا ہے"

محمد کامل نے کہا۔ "نہیں بی میں اس سے وعدہ کر آیا ہوں اپنے جی میں کہے گا ہندوستانی کیسے خود مطلبی ہوتے ہیں چلتے وقت ہم سے جھوٹ بولا۔"

محمد کامل کی ماں نے کہا۔ "اچھا جا کر کہہ آؤ کہ صاحب میرا جانا نہیں ہو سکتا۔"

محمد کامل نے اصغری سے پوچھا۔ "کیوں صاحب تمہاری کیا صلاح ہے؟"

اصغری نے کہا "صلاح اور ہوتی ہے اور دل کی خواہش اور ہوتی ہے' دل کی خواہش تو یہ تھی کہ تم یہاں رہو گھر کا انتظام صرف تمہارے دم سے ہے۔ آخر گھر میں کوئی مرد بھی چاہیے'

اور صلاح پوچھو تو جانا مناسب ہے۔ جب ایک حاکم خود یہ کہے کہ تم کو ساتھ لے جاتا ہے تو ضرور اپنی جگہ پہنچ کر بہت سلوک کرے گا۔"

محمد کامل نے کہا۔ "پانچ روپے کے واسطے کیا دو تین سو کوس کا سفر؟ میرا تو دل جانے کو نہیں چاہتا' وہ مثل ہے گھر کی آدمی نہ باہر کی ساری۔"

اصغری نے کہا۔ "یوں تم کو اختیار ہے لیکن ایسا موقع تقدیر سے ملا ہے پھر ہاتھ نہ آئے گا۔ اور سفر کون نہیں کرتا ہمارے ابا' تمہارے ابا' دیکھو ان لوگوں نے عمریں سفر میں تیر کر دیں' اور بالفعل پانچ سن لیے گئے' پیچھے دیکھو گے کتنے پانچ ہیں اور اگر نہیں جاتے تو پھر دس روپے سے بے دلی مت ظاہر کرنا۔"

محمد کامل نے کہا۔ "تو یہاں کی نوکری کو استعفیٰ دے جاؤں؟ اور فرض کیا وہاں کچھ صورت نہ پائی تو ادھر سے بھی گیا اور ادھر سے بھی گیا۔"

اصغری نے کہا۔ "اول تو یہ فرض کرنا کہ وہاں کچھ صورت نہ نکلے خلاف عقل ہے۔ جیمس صاحب اتنا بڑا حاکم اور تم کو کام دینا چاہیے۔ اور صورت نہ نکلے میری سمجھ میں تو نہیں آتا۔ اور پھر استعفیٰ کیوں دو مہینے کی رخصت لو"

محمد کامل نے کہا۔ "ہاں رخصت منظور ہوئی پڑی ہے۔"

اصغری نے کہا۔ "منظور ہونے کو کیا ہوا' ابھی جیمس صاحب سے کہو' وہ چٹھی لکھ دے گا۔"

غرض اصغری نے زبردستی جوت کر محمد کامل کو جانے پر راضی کیا۔ اپنے پاس سے پچاس روپے نقد دیے اور چھ جوڑی نئے کپڑے بنوا دیے' دیانت کے بیٹے رفیق کو ساتھ کر دیا۔ مولوی محمد کامل سیالکوٹ تشریف لے گئے۔

ادھر اصغری نے مولوی فاضل صاحب کو یہ تمام حال خط میں لکھا اور یہ بھی لکھ دیا کہ جیمس صاحب سیالکوٹ کو جاتے ہوئے ضرور لاہور ہو کر جائیں گے۔ اگر ایسا ہو سکے کہ آپ وہاں ان سے ملاقات کر کے ان کی سفارش کچھ رئیس سے کرا دیں تو بہت مفید ہو گا۔

مولوی صاحب نے جیمس صاحب کی جستجو کی اور رئیس کے کچھ دیہات ضلع سیالکوٹ میں بھی تھے۔ مولوی صاحب نے رئیس کی طرف سے صاحب کی دعوت کی اور رئیس کے باغ میں ٹھہرایا۔

کھانے کے بعد صاحب اور رئیس دونوں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے کہ مولوی صاحب نے جیمس صاحب سے کہا کہ "دہلی کی رعایا کو آپ کی مفارقت کا بہت قلق ہے اگرچہ آپ صرف

دو برس دہلی میں حاکم رہے لیکن آپ کی انصاف‘ آپ کی شرفا پروری سے وہاں کے لوگ بہت خوش تھے۔ ایک بندہ زادہ بھی آپ کی خدمت میں حاضر تھا اس کے لکھنے سے سب حال معلوم ہوتا رہتا تھا۔“

صاحب نے پوچھا۔ ”کیا کوئی آپ کا لڑکا بھی میری کچہری میں تھا؟“

مولوی صاحب نے کہا۔ ”محمد کامل“

صاحب نے کہا۔ ”وہ تو ہمارے ساتھ آتا ہے‘ وہ آپ کا بیٹا ہے؟“

مولوی صاحب نے کہا۔ ”آپ کا غلام ہے۔“

رئیس نے اس تقریب میں صاحب سے کہا۔ ”کہ مولوی صاحب ہماری ریاست کے بہت قدیم الخدمت ہیں اور ہم کو ہر طرح سے ان کی پرداخت مرکوز خاطر رہتی ہے۔ لیکن آپ تو جانتے ہیں۔ اب گنجائش نہیں پس اگر آپ ان کے بیٹے کی پرورش فرمائیں گے تو ہم آپ کے ممنون ہوں گے۔“

جیمس صاحب پہلے سے محمد کامل کے حال پر ملتفت تھا ایسے وقت مناسب پر تقریب ہو گئی کہ جیمس صاحب کو بہت خیال ہو گیا اول تو جوان نو عمر دوسرے شریف‘ تیسرے رئیس کا سفارشی‘ چوتھے خود صاحب کا رفیق‘ پانچویں لائق‘ اتنے حقوق محمد کامل کو حاصل ہو گئے۔

صاحب نے پہلے دن کچہری کرتے ہی محمد کامل کو پچاس روپے کا نائب سررشتے دار کیا۔ اور مولوی محمد فاضل صاحب کو خط لکھا کہ بالفعل ہم نے آپ کے بیٹے کو پچاس کی نوکری دی ہے‘ اور ہم جلد اس کی ترقی کریں گے۔ آپ رئیس کی خدمت میں اطلاع کر دیجئے۔

مولوی صاحب نے بطرز مناسب صاحب کا شکریہ ادا کیا۔ اور وہ محمد کامل جو کبھی امیدوار کا محتاج تھا۔ اور چھوٹے چھوٹے عہدہ داروں کی عوضیاں کرتا تھا۔ اور صرف دس روپے کا روزنامچہ نویس تھا‘ پندرہ کے وعدہ پر‘ اصغری کے جوتنے سے جیمس صاحب کے ساتھ سیالکوٹ آیا تھا۔ اب ایک دم سے پچاس کا عہدہ دار ہو گیا۔

محمد کامل کی ماں اگرچہ آتے وقت ناخوش ہوئی تھی پچاس کا نام سن کر ان کی باچھیں بھی کھل گئیں‘ اب تو گھر میں چوگنی برکت ہو گئی۔

اصغری کا انتظام‘ اور بیس کی جگہ اب ساٹھ روپے مہینہ میں آنے لگا کیا پوچھنا ہے۔

محمد کامل آخر ایک ہی برس میں سررشتے دار ہو گیا۔ لیکن سررشتے دار ہونے تک سنبھلا ہوا تھا۔ خرچ بھی برابر آتا تھا‘ خط بھی متواتر چلے آتے تھے‘ لیکن آخر جوان آدمی تھا‘ خود مختار ہو کر

رہا۔ صحبت بری مل گئی۔ بہک چلا خطوں میں کمی ہونی شروع ہوئی۔

اصغری تو بڑی دانشمند تھی' سمجھ گئی کہ دال میں کالا ہے بہت دن تک اصغری فکر میں رہی کہ اب کیا تدبیر کروں؟ آخر کو سوائے اس کے کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ خود جانا چاہیئے۔

ہرچند اصغری نے سیالکوٹ جانے کا عزم مصمم کر لیا تھا۔ لیکن تماشا خانم کو صلاح کے واسطے بلا بھیجا' اور سب حال اس سے کہا۔

تماشا خانم نے کہا۔ "بوا کوئی دیوانی ہوئی ہے شہر چھوڑ کر اب کہاں سیالکوٹ جاتی پھرے گی؟"

اصغری نے کہا۔ "مجھ کو شہر سے کیا مطلب؟ میں تو جس کے ساتھ وابستہ ہوں وہیں شہر ہے۔"

تماشا خانم نے کہا۔ "اے ہے کنبے والے کیا کہیں گے؟ ہمارے کنبے میں سے آج تک کوئی باہر نہیں گیا۔"

اصغری نے کہا۔ "اس میں عیب کی کیا بات ہے؟ آخر یہی کہیں گے کہ میاں کے پاس چلی گئی۔ تو برا کیا کیا؟ اور کنبے کی رسم کو جو پوچھو تو پچھلے دنوں نہ ڈاک تھی' نہ ریل' نہ رستے آباد تھے' عورتوں کا سفر کرنا بہت مشکل تھا۔ اس سبب سے لوگ نہیں جاتے تھے۔ اب کیا مشکل ہے' اگر آج ڈاک میں بیٹھوں اور خدا اصل خیر رکھے تو پرسوں سیالکوٹ داخل' گویا میرٹھ گئے۔"

تماشا خانم نے کہا۔ "کیا طلبی کا خط آیا ہے؟"

اصغری نے کہا۔ "خط تو نہیں آیا۔"

تماشا خانم بولی۔ "بن بلائے جانا تو مناسب نہیں۔"

اصغری نے کہا۔ "تم مناسب نامناسب دیکھتی ہو اور میں کہتی ہوں کہ اگر میں نہ جاؤں گی تو عمر بھر کو گھر غارت ہو جائے گا۔"

تماشا خانم بولی۔ "اے آپا ایسی تم کیوں گری پڑتی ہو' تم کو ان کی کیا پرواہ ہے؟ خدا تمہارے مکتب کو سلامت رکھے تم دس کو روٹی کھلایا کرو۔"

اصغری نے کہا۔ "واہ آپ کی بھی کیا سمجھ ہے۔ یہ مکتب تو میں نے اپنے جی بہلانے کے واسطے بٹھا لیا ہے۔ کچھ مجھ کو اس سے کمائی کرنی منظور نہیں' خدا جانے تم کو یقین آئے یا نہ آئے آج تک میں نے مکتب کی رقم سے ایک پیسہ اپنے اوپر خرچ نہیں کیا۔ صرف پچاس روپے نقد اور بیس روپے کپڑے کے واسطے تمہارے بھائی جان کو سیالکوٹ جاتے ضرور دیے تھے۔ سو وہ بھی

قرض میں داخل اور باقی کوڑی کوڑی کا حساب لکھا ہوا موجود ہے دیکھ لو عورتوں کی کمائی بھی کوئی کمائی ہے۔ اگر عورتوں کی کمائی سے گھر بسا کریں تو مرد کیوں ہوں میرا اپنا گھر بنا رہے تو میں ایسے ایسے دس مکتبوں کے اجڑنے کی بھی پروا نہیں کرتی۔"

تماشا خانم نے کہا۔ "ایسی بھری برسات میں کہاں جاؤ گی جاڑا آنے دو' اس وقت کھلے موسم میں دیکھ لینا۔"

اصغری نے کہا۔ "اے ہے دیر کرنا تو غضب ہے اب جو کام سمجھانے سے نکلے گا پھر بڑے جھگڑوں سے بھی طے نہیں ہو گا۔"

تماشا خانم نے کہا۔ "اے ہے آپا گھر چھوڑتے ہوئے تمہارا جی نہیں کڑھتا۔"

اصغری نے کہا۔ "کیوں نہیں کڑھتا کیا میں آدمی نہیں ہوں لیکن تھوڑی دیر کا کڑھنا بہتر یا عمر بھر کا جلاپا۔"

تماشا خانم نے کہا۔ "تم نے اپنی ساس سے بھی اجازت لی؟"

اصغری نے کہا۔ "بھلا وہ اجازت دیں گی؟ لیکن ہماری ساس بے چاری سیدھی آدمی ہیں میں سمجھا دوں گی تو یقین ہے نہ روکیں۔"

غرض یہ کہ اصغری نے اپنا ارادہ اور اس کے وجوہات اپنی ساس سے ایک دن بیان کیں' بات معقول تھی۔ اس میں کون گفتگو کر سکتا تھا۔ اصغری کا جانا ٹھہر گیا۔

ایک روز جا کر اصغری سب کچا حال اپنی ماں سے بھی کہہ آئی اور رخصت ہو آئی۔

مکتب کے واسطے لڑکیوں کو سمجھا دیا کہ محمودہ تم سب پڑھانے کو بہتر بہت ہیں۔ میں صرف دو مہینے کے واسطے جاتی ہوں سب لڑکیاں بدستور آیا کریں۔

رخصت ہونے کی تقریب سے اپنی آپا کے پاس گئی۔

محمد عاقل نے پوچھا۔ "کیوں بھائی تمیزدار بہو تم جاتی ہو' مکتب کو کیا کر چلیں؟"

اصغری نے کہا۔ "مکتب اور گھر سب آپ کے حوالے کیے جاتی ہوں۔"

محمد عاقل نے کہا' "واہ کیا خوب نہ مجھ کو گھر سے تعلق نہ مکتب سے واسطہ میں کیا کر سکتا ہوں۔"

اصغری نے کہا۔ "تعلق رکھنا اور نہ رکھنا سب آپ کے اختیار میں ہے۔"

محمد عاقل نے کہا۔ "تمیزدار بہو یہ بات تمہارے منہ سے زیبا نہیں' بھلا میرا کیا اختیار ہے گھر تمہاری آپا نے چھڑوا دیا رہا مکتب سو لڑکوں کا مکتب ہوتا تو میں خوشی سے سب کو پڑھا دیا کرتا۔"

اصغری نے کہا۔ "اب آپا اور آپ دونوں گھر میں چل کر رہیے اماں جان اکیلی ہیں۔"

محمد عاقل نے کہا۔ "اپنی بہن کو سمجھاؤ۔"

اصغری نے کہا "سمجھانے کی کیا ضرورت ہے۔ آپا خود جانتی اور سمجھتی ہیں۔ یہاں اکیلے آپ کو تکلیف ہوتی ہے نہ بچوں کا کوئی سنبھالنے والا ہے۔ نہ گھر کا کوئی دیکھنے والا دکھ سکھ آدمی کے ساتھ ہیں' بے ضرورت جدا رہنا مناسب نہیں۔ اور پچھلی باتیں گئی گزری ہوئیں آپس کی نااتفاقی کیا اور باہم کی رنجش کیسی؟"

اکبری جدا گھر رہنے کا مزہ خوب چکھ چکی تھی اور بہانہ ڈھونڈتی تھی کہ پھر ساتھ رہنے کو کوئی کہے فوراً راضی ہو گئی اور اصغری اپنے ساتھ دونوں کو لوا لائی۔

محمد کامل کی ماں کو اصغری کے جانے کا سخت قلق تھا اب ان کی بھی تسلی ہو گئی کہ خیر ایک بہو گئی' دوسری موجود ہے۔

محمودہ کو البتہ بڑی فکر تھی کہ دیکھیے کیا ہو' لیکن اصغری نے ادھر تو محمودہ کی تسلی کی اور سمجھا دیا کہ اب وہ باتیں نہیں ہیں' ادھر اپنی آپا کو سمجھا دیا کہ محمودہ اب بڑی ہو گئی ہے۔ کوئی سخت بات اس کو نہ کہے گا۔

مکتب کے واسطے محمد عاقل سے اتنا کہہ دیا کہ پڑھانا لکھانا وغیرہ سب محمودہ کر لیا کریں گی۔ آپ صرف بالائی انتظام کی خبر لے لیا کیجئے۔ اور مکتب کی رقم کا حساب محمودہ کو لکھا دیا کیجیے۔

الغرض اصغری رخصت ہوئیں۔ ڈاک پر سوار ہو سیدھی سیالکوٹ پہنچیں۔ یہاں محمد کامل دفعتہ" اصغری کے پہنچنے سے سخت متعجب ہوا اور پوچھا۔ "کہ خیریت ہے کہیں اماں سے تو نہیں لڑ آئیں"

اصغری نے کہا۔ "توبہ کرو اماں جان میرے برابر کی ہیں کہ میں ان سے لڑنے جاؤں گی؟ اس چار برس میں کبھی تم نے مجھ کو ان سے یا کسی سے لڑتے دیکھا؟"

یہاں محمد کامل نے خوب پاؤں نکالے تھے اور بری صحبت میں مبتلا تھا' خوشامدی لوگ جمع تھے اور وہ اس کو الو بنائے ہوئے تھے۔ بازار رشوت گرم تھا ناچ رنگ تک سے احتراز باقی نہ رہا' امیری ٹھاٹھ تھے تنخواہ سے چار چند کا معمولی خرچ' اگر یہی حال چندے اور رہتا' ضرور جیمس صاحب کو بدگمانی پیدا ہوتی۔ اور آخر کو نوکری جاتی رہتی اچھے وقت اصغری جا پہنچی فوراً اس نے ہر طرف سے رخنے بندیاں کیں' اور سمجھایا کہ تم کو خدا نے سو کا نوکر کر دیا اس کا یہی شکریہ ہے کہ تم کو اس پر قناعت نہیں

محمد کامل نے کہا۔ "کہ جو خوشی سے دے۔ اس میں کیا قباحت ہے؟"
اصغری نے کہا۔ "سبحان اللہ' روپیہ بھی ایسی چیز ہے کہ کوئی اس کو بے وجہ خوشی سے دیتا ہے۔ ان دنوں لوگ روپے کے اس قدر حاجتمند ہیں کہ عزت تک کی پروا نہیں کرتے' مگر روپیہ نہیں چھوڑتے' آدمی اپنے اوپر قیاس کرے کہ ہم کسی کو دیا کرتے ہیں۔ ایک زکوٰۃ کی بھی کچھ اصل ہے سیکڑے پیچھے برسویں دن بیسواں حصہ پانچ روپے وہی دیتے ہوئے جان نکلتی ہے۔ لوگوں کے پاس ایسا کہاں کا خزانہ قارون بھرا پڑا ہے' کہ وہ تم کو بے مطلب دے جاتے ہیں جب دیکھتے ہیں کہ کام بگڑتا ہے نہ دیں گے تو مقدمہ خراب ہو گا۔ عاجز آکر قرض دام لے کر گھر والیوں کے زیور بیچ کر رشوت دیتے ہیں۔"
محمد کامل نے کہا۔ "میں خود نہیں لیتا پھر اس میں کیا ڈر ہے؟"
اصغری بولی۔ "اول تو رشوت چھپ نہیں سکتی' علاوہ اس کے فرض کیا کہ آدمی پر ظاہر نہ ہوئی' خدا جو پردوں میں دیکھتا ہے' وہ تو جانتا ہے' بندوں کا گناہ جمع کرنا' اور عاقبت کی جواب دہی سمیٹنا بڑی بے باکی کی بات ہے۔"
غرض پس و پیش سمجھا کہ اصغری نے محمد کامل سے توبہ کرائی۔
چند روز رہ کر اصغری نے پوچھا۔ "یہ چار آدمی جن کو باہر کھانا جاتا ہے کون لوگ ہیں؟"
محمد کامل نے کہا۔ "نوکری کے امیدوار ہیں' بیچارے غریب الوطن ہیں۔ میں نے کہا اچھا جب تک نوکری لگے تب تک میرے پاس رہو۔"
اصغری نے پوچھا۔ "پھر اب تک ان کو نوکری نہیں ملی؟"
محمد کامل نے کہا۔ "نوکری تو ملتی ہے لیکن ان کی حیثیت سے کم ہے۔"
اصغری نے کہا۔ "جب ان کی حالت یہاں تک پہنچی ہے کہ دوسرے کے سر پڑے ہوئے روٹیاں کھاتے ہیں تو حیثیت سے کیا بحث باقی رہی' تھوڑی بہت جو ملے کر لیں۔"
محمد کامل نے کہا۔ "خدا جانے' تم کیا کہتی ہو عزت سے گھٹ کر کیوں کر لیں؟"
اصغری نے کہا۔ "کم درجہ کی نوکری میں تو بے عزتی ہوتی ہے اور دوسرے کے سر ڈھئی دینے میں بے عزتی نہیں۔ جب ان لوگوں میں اتنی غیرت نہیں تو اور عادتیں بھی ان میں ضرور بری ہوں گی' ان کا ساتھ اچھا نہیں' ضرور تمہارے نام سے کچھ یہ لیتے بھی ہوں گے' ان سے کہو کہ یا نوکری کریں یا رخصت ہوں۔"
محمد کامل نے کہا۔ "میری مروت تو مقتضی نہیں ہوتی کہ میں جواب دوں۔"

اصغری نے کہا "جب ان میں مروت نہیں تو تم کو مروت کا لحاظ کیا ضرور ہے۔ اگر ہم سے بچے تو کنبے میں بہت سے غریب ہیں' ان کا حق مقدم ہے' غیروں کو اور غیروں میں سے بھی ایسوں کو دینے سے کیا فائدہ اور یہ ضروری نہیں کہ تم سختی سے جواب دو' کسی طور پر ان کو سمجھا دو۔"
خلاصہ یہ کہ یہی لوگ محمد کامل کے شیطان تھے۔ اصغری نے حکمت عملی سے ان کو نکلوا دیا۔ نوکروں میں سے جو بدوضع تھے' چھانٹ چھانٹ کر نکالے گئے' اور ڈیڑھ برس اصغری نے رہ کر اندر باہر سب انتظام درست کر دیا۔"

اب میاں مسلم کی شادی ہونے والی تھی' اصغری کی طلب میں خط آگیا اور تماشا خانم نے بہت اصرار کے ساتھ لکھا از بسکہ بہت دن ہو چکے تھے' اصغری نے دہلی آنے کا ارادہ کیا لیکن اپنے دل میں سوچی کہ محمد کامل کو اکیلا چھوڑ جانا مصلحت نہیں۔

محمد کامل سے کہا۔ "کہ مسافرت میں تنہا رہنا مناسب نہیں کوئی اپنا رشتہ دار ساتھ رہنا ضروری ہے' سو میرے نزدیک تم اپنے خالہ زاد بھائی محمد صالح کو بلا لو۔ وہ تمہارے پاس کچہری کا کام بھی سیکھے گا اور پڑھے گا بھی۔ اور شاید کہیں اس کی نوکری بھی لگ جائے۔"

امیر بیگم کو خط گیا اور اصغری کے رہتے محمد صالح پہنچ گیا۔

یہ لڑکا نہایت درجے کو نیک بخت تھا اور محمد کامل سے صرف دو برس چھوٹا تھا۔

اب اصغری کو اطمینان ہوا تو سیالکوٹ سے رخصت ہو لاہور پہنچی۔ یہاں مولوی محمد فاضل کے پاس ایک ہفتے مقیم رہی' مولوی محمد فاضل کی عمر ساٹھ برس کے قریب تھی اور مختاری کی نوکری میں محنت بہت تھی' روز بلاناغہ سب حاکموں کی کچہری میں جا کر رئیس کے مقدمات کی خبر لینا اور صبح شام عملوں میں جانا بے چارے مولوی صاحب رات کو آتے تو بہت تھک جاتے تھے۔

اصغری نے کہا۔ "ابا جان اب آپ کی عمر اس محنت کے قابل نہیں مناسب ہے کہ آپ گھر بیٹھنے کی فکر کیجئے ایک کتاب میں میں نے پڑھا ہے کہ انسان عمر کے تین حصے کرے' پہلا حصہ بچپن کا' اور دوسرا دنیا کے کاموں کے بندوبست کا' تیسرا آرام اور یاد الٰہی کا پس اب آپ گھر چل کر آرام سے بیٹھئے۔

مولوی صاحب نے کہا۔ "اول تو رئیس نہیں چھوڑتا' دوسرے آخر کوئی میری جگہ کام کرنے والا بھی تو چاہیئے۔"

اصغری نے کہا۔ "رئیس سے جب آپ اپنی ضعیفی کا عذر کیجئے گا تو غالب ہے کہ مان جائے اور کام کرنے کو تو بھائی جان کیا کم ہیں۔"

مولوی صاحب نے کہا۔ "وہ کچہری دربار کا دستور قاعدہ کیا جانے؟"

اصغری نے کہا۔ "چند روز ان کو بلا کر ساتھ رکھیے دیکھنے بھالنے سے سب معلوم ہو جائے گا۔ وہ تو مولوی آدمی ہیں ہندو لوگ تو دو چار فارسی کی کتابیں پڑھ کر کچہری کی نوکری کرنے لگتے ہیں۔"

مولوی صاحب کو اصغری کی بات پسند آ گئی۔

اصغری تو دلی پہنچی اور مولوی صاحب نے محمد عاقل کو بلا بھیجا۔ چند روز میں محمد عاقل نے باپ کا سب کام اٹھا لیا اور رئیس کو اپنی خدمت سے بہت خوش کیا۔ تب مولوی صاحب نے رئیس سے کہا کہ اب یہ لڑکا حضور میں حاضر ہے، مجھ کو آزاد فرمائیے۔

رسم است کہ مالکان تحریر

آزاد کنند بندہ پیر

رئیس کا دل بڑا سخی تھا، بیس روپے تاحیات مولوی صاحب کی پنشن کر دی اور مولوی صاحب کی جگہ محمد عاقل کو پوری تنخواہ پر رکھ لیا۔

اصغری دلی آئی تو اس نے محمودہ کی فکر کی، حسن آرا سسرے اپنے گھر آئی ہوئی تھی، اور انہیں دنوں جمال آرا بھی سسرال سے چھوٹی بہن سے ملنے آئی تھی۔ حکیم جی کا تو تمام گھر اصغری کا مرید تھا، دونوں بہنیں اصغری کے آنے کی خبر سن کر دوڑی آئیں، ہر طرح کی باتیں ہوتی رہیں۔

جمال آرا نے کہا۔ "استانی جی کیسا جی تم میں پڑا تھا کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ بھلا حسن آرا تو تمہاری شاگرد ہیں، لیکن میں شاگردوں سے بھی زیادہ ہوں، میرا اجڑا ہوا گھر تمہیں نے بسوایا۔"

اصغری نے کہا۔ "میں کس لائق ہوں۔"

جمال آرا نے کہا۔ "واہ استانی جی میں تو جیتے جی تمہارا سلوک نہیں بھولوں گی اور کیا کروں تم ہی لوگوں کی خدمت کسی طرح قبول نہیں کرتیں۔ نہیں تو اپنی کھال کی جوتیاں تم کو بنوا دیتی تب بھی شاید تمہارا حق ادا نہ ہوتا۔"

اصغری نے کہا۔ "اول تو کچھ خدمت مجھ سے نہ بن پڑی اور اگر باقتضائے سرداری کوئی کام آپ کو پسند ہوا تو بیگم صاحب آپ کو خدا نے سب قابل بنایا ہے۔ ہم غریبوں کو خوش کر دینا کون سی بڑی بات ہے۔"

حسن آرا بولی۔ "اے ہے استانی جی تم اپنے منہ سے کیسی باتیں کہتی ہو؟"

اصغری نے کہا۔ "سنو بوا حسن آرا استانی گری اور شاگردی تو اب باقی نہیں رہی، وہ مکتب

تک تھی اب اللہ رکھے تو بیاہی گئیں ادھر تم پوروں کی امیر اور امیروں کی سرتاج۔ ادھر یہ سردار۔ اور سرداروں کی بیٹی بہو اب اس شہر میں تم سے بڑھ کر تو دوسرا امیر نہیں، تم تک پہنچ کر جو آدمی محروم رہے۔ تو اس کی قسمت کا قصور ہے"

حسن آرا نے کہا۔ "اچھی استانی جی کیا بات ہے؟"

اصغری نے کہا۔ "بوا بڑا مشکل کام ہے تم وعدہ کرو کہ مجھ کو نا امید نہ کرو گی۔ تو میں کہو۔"

حسن آرا اور جمال آرا نے جانا کسی کی نوکری چاکری کے واسطے کہیں گی۔

دونوں نے کہا۔ "استانی جی خدا کی قسم تمہارے واسطے ہم دل و جان سے حاضر ہیں، لو ہم کو تو بڑی تمنا ہے کہ تم ہم سے کچھ فرمائش کرو۔"

اصغری نے کہا۔ "وہ کام میرے نزدیک تو بڑا ہے لیکن اگر آپ دونوں دل سے آمادہ ہوں تو کچھ بڑا نہیں۔"

دونوں بہنوں نے کہا۔ "استانی جی خدا جانتا ہے ہمارے کرنے کا کام ہو تو ہم کو ہرگز دریغ نہیں۔"

جب خوب پکا وعدہ کرا لیا تو اصغری نے کہا۔ "میری یہ آرزو ہے کہ محمودہ کو اپنی فرزندی میں قبول کر لو۔"

یہ سن کر دونوں بہنوں نے سکوت کیا پھر ادھر ادھر کی باتیں ہونے لگیں۔ جب دونوں اٹھنے کو ہوئیں تو اصغری نے ایک ہاتھ سے حسن آرا کا دوپٹہ پکڑا اور دوسرے ہاتھ سے جمال آرا کا اور کہا۔ "کہ میں اپنا حق اب لڑ جھگڑ کر لوں گی، اور جب تک میرا سوال پورا نہ ہو گا خدا کی قسم جانے نہ دوں گی۔"

حسن آرا نے کہا۔ "استانی جی بھلا اس میں ہمارا کیا اختیار ہے ابھی تو ارجمند خاں لڑکا ہے، دوسرے ایسی باتوں میں ماں باپ کے ہوتے ہوئے بہنوں کو کیا دخل؟"

اصغری نے کہا۔ "بڑی اور بیاہی ہوئی بہنیں بھی ماں کے برابر ہوتی ہیں۔ اور رشتے ناتے بے سب کی صلاح کے نہیں ہوتے ایسا ممکن نہیں کہ تم سے مشورہ نہ ہو۔"

حسن آرا نے کہا۔ "ابھی ہمارے یہاں تو کچھ ذکر مذکور کہیں کا نہیں۔"

اصغری نے کہا، تم کو معلوم نہ ہو گا ----- علوی خاں کے یہاں رقعہ گیا تھا واپس آیا۔"

جمال آرا نے کہا۔ "استانی جی تم نے سنا ہے تو گیا ہو گا، مگر ہم سے اس معاملے میں کچھ بات نہیں ہوئی۔ علوی خاں میں کیا برائی تھی خدا جانے رقعہ پھروا کیوں لیا۔"

اسی طرح بات میں بات اور ہونے لگی' اصغری نے کہا صاحبو میرا مطلب رہا جاتا ہے "ہاں" ناکا جواب مجھ کو دیجئے۔"

جمال آرا نے کہا۔ "استانی جی بھلا ہم کیوں کر حامی بھر سکتے ہیں؟"

اصغری نے کہا۔ "دولت' سیرت' صورت تین چیزیں ہوتی ہیں۔ دولت ہم غریبوں کے پاس نہیں رہی سیرت سو بوا حسن آرا تم محمودہ سے بخوبی واقف ہو۔ دو برس تمہارا اس کا ساتھ رہا۔ تم سچ کہنا۔ شرم' لحاظ' ادب' قاعدہ' نیک بختی' ہر کام کا سلیقہ' اور ہر طرح کا ہنر' لکھنا پڑھنا' سینا پرونا' پکانا یہ سب باتیں محمودہ میں ہیں یا نہیں؟ کچھ اس پر موقوف نہیں ہے کہ محمودہ میری نند یا شاگردہ ہے۔ وہ لڑکی کچھ خدا نے ہمہ صفت موصوف پیدا کی ہے۔ کیوں بوا حسن آرا میں جھوٹی کہتی ہوں تو تم بولو؟"

حسن آرا نے کہا۔ "استانی جی بھلا چاند پر کوئی خاک ڈال سکتا ہے؟ محمودہ بیگم ماشاء اللہ بڑے گھروں میں اپنا ثانی نہیں رکھتیں بھلا کوئی محمودہ بیگم کا پاسنگ تو ہو لے۔"

اصغری نے کہا۔ "اور صورت' سو ناک' کان' آنکھ' جیسے آدمی میں ہوتے ہیں' محمودہ میں بھی ہیں وہ بھی آدمی کا بچہ ہے جوان ہونے پر کچھ اس سے زیادہ صورت نکل آئے گی؟"

جمال آرا بولی۔ "اے استانی جی محمودہ بیگم کو آدمی کا بچہ کہتی ہو خدا کی قسم حور کا بچہ ہے۔ بڑے گھروں میں اونچی دکان پھیکا پکوان۔ ہم نے تو کوئی صورت، دار نہ دیکھا۔ ہم دونوں بہنیں موجود ہیں' خدا کی قسم بعض لونڈیاں ہم سے اچھی ہیں اور محمودہ تو چندے آفتاب اور چندے ماہتاب اس صورت کے آدمی کہاں نظر آتے ہیں؟"

اصغری نے کہا۔ "پھر بوا سوائے غریبی کے اور ہم میں کیا برائی ہے۔ اگرچہ چھوٹا منہ بڑی بات ہے۔ لیکن علی نقی خان مرحوم کو دو چار پشتیں نہیں گزریں۔ آخر ہم بھی انہیں کے نام لیوا ہیں۔"

دونوں بہنوں نے کہا۔ "استانی جی تم ہماری سرتاج ہو' اور ہم اور تم کیا دو دو ہیں؟ ایک ذات' ایک خون۔"

اصغری نے کہا۔ "پھر کیا تامل ہے' میری درخواست کو قبول فرمائیے۔"

حسن آرا نے کہا اچھا استانی جی آج ہم اس بات کا مذکور اماں سے کریں گے۔"

اصغری نے کہا۔ "مذکور نہیں مذکور تو میں بھی کر سکتی ہوں۔ بلکہ دل سے اس میں مدد کرو اور اب یہ بات چھڑی ہے تو ایسا ہو کہ پوری ہو جائے۔"

دونوں بہنوں نے وعدہ کیا کہ استانی جی جیسا آپ کا ارادہ ہے انشاء اللہ ویسا ہی ہو گا۔

غرض کہ اس وقت دونوں بہنیں رخصت ہو گئیں۔ اگلے دن اصغری خود سلطانہ بیگم سے ملنے کو گئی۔ دو سو روپے کا بہت عمدہ شال رومال جو سیالکوٹ سے لائی تھی سلطانہ بیگم کو نذر دیا۔ سلطانہ بیگم نے کہا۔ "استانی جی تم ہم کو شرمندہ کرتی ہو؟ ہم کو تمہاری خدمت کرنی چاہیئے نہ کہ الٹا تم سے لیں۔"

اصغری نے کہا۔ "یہ رومال میں نے صرف آپ کے واسطے فرمائش کر کے بنوایا اور اس کو آپ قبول فرمائیں ڈیڑھ برس سے اسی امید میں میری گٹھڑی میں بندھا تھا کہ دہلی چل کر میں خود پیش کروں گی۔"

سلطانہ بیگم نے کہا۔ "میں اس کو بطور تبرک کے لیے لیتی ہوں لیکن مجھ کو خدا کی قسم شرم آتی ہی، کبھی آپ نے بھی تو کچھ فرمائش کی ہوتی کہ، میرا جی خوش ہوتا۔"

اتنا سہارا پا کر اصغری دست بستہ کھڑی ہو گئی اور اپنا مطلب بیان کیا۔

سلطانہ بیگم نے کہا۔ "اچھا استانی جی آپ بیٹھے تو سہی۔"

اصغری نے کہا۔ "اب میں اپنی مراد لے کر بیٹھوں گی۔"

سلطانہ بیگم نے ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیا اور کہا "کہ بیٹا بیٹیوں کے کام مشکل کام ہیں کمہار کے یہاں سے دمڑی کا پیالہ لیتے ہیں تو ٹھوک بجا لیتے ہیں، اور یہ عمر بھر کی کمائیوں کے بیوپار ہیں سوچ سمجھ کر صلاح مشورہ ہو کر کرنا چاہیئے آپ نے ذکر کیا اب میں ان کے باپ سے اور اپنی بڑی بہن سے اور کنبے کے دو چار آدمیوں سے صلاح کروں پھر جیسا ہو گا دیکھا جائے گا۔ اور ابھی تو ارجمند لڑکا ہے اس کے بیاہ کی کیا جلدی ہے۔"

اصغری نے کہا۔ "حوصلے سے بڑھ کر میں نے سوال کیا ہے جس طرح مصر میں کوئی بڑھیا عورت سوت کی انٹی لے کر حضرت یوسف کی خریدار بنی تھی۔ اسی طرح میری پاس غریبی اور عاجزی کے سوا کچھ دینے لینے کو نہیں ہے۔ اب صرف آپ کی مہربانی درکار ہے۔"

ہر چند سلطانہ بیگم نے زبان سے کچھ نہ کہا، لیکن انداز سے معلوم ہوا کہ بات ناگوار نہیں ہوئی

چلتے ہوئے اصغری جمال آرا اور حسن آرا سے کہتی گئی کہ اب اس کا نباہ آپ لوگوں کے اختیار میں ہے۔

اصغری کے جانے کے بعد دونوں بہنوں نے محمودہ کی حد سے زیادہ تعریف کی سلطانہ تو نیم

راضی ہو گئی۔

لیکن شاہ زمانی بیگم کی بھی ایک بیٹی تھی دلدار جہاں اور شاہ زمانی کا یہ ارادہ تھا کہ ارجمند سے اپنی بیٹی کی منگنی کرے لیکن اتنا غنیمت تھا کہ ابھی تک شاہ زمانی نے اپنی بہن سے کچھ اس کا تذکرہ نہیں کیا تھا جب اصغری نے محمودہ کی نسبت گفتگو کی تو سلطانہ بیگم نے شاہ زمانی سے پچھوا بھیجا کہ آپ کے نزدیک یہ بات کیسی ہے؟

شاہ زمانی بیگم یہ حال سن کر بہت گھبرائی' اور اس فکر میں ہوئی کہ محمودہ کی بات دب جائے تو دلدار جہاں کی بات ٹھہرا دوں' اس وقت کہلا بھیجا کہ میں سوچ کر جواب کہلا بھیجوں گی۔ اگلے دن خود بدولت آموجود ہوئیں۔ اور جب ذکر چلا تو سلطانہ سے کہا۔ "کہاں تم' کہاں مولوی صاحب' زمین آسمان کا کیا جوڑ' یہ بات یہاں کون لایا تھا؟"

سلطانہ نے کہا۔ "استانی جی۔"

شاہ زمانی نے کہا' "میں خود استانی جی کے پاس جاتی ہوں" حسن آرا کو ساتھ لے" اصغری کے پاس گئیں اور کہا۔ "کہ استانی جی! تم اتنی بڑی تو عقلمند اور تم نے اتنا نہ سمجھا کہ رشتہ ناطہ برابر کے ساتھ ہوتا ہے علوی خاں کے گھر سے اس بات پر رقعہ پھرا کہ انہوں نے سونے کا چھپر کھٹ نہیں مانا۔ بھلا تم محمودہ کو کیا دو گی؟"

اصغری نے کہا "بیگم صاحب میں نے تو لڑکی کے بیان کے واسطے ایک بات کہہ دی تھی کچھ لڑکی کے بیچنے کا پیام نہیں دیا تھا شہر میں اگرچہ اب کل رسمیں بگڑ گئی ہیں۔ لیکن لینے دینے کا چکوتا کہیں نہیں سنا' جو بیٹی دے گا وہ کیا اٹھا رکھے گا باقی رہی برابر سو ظاہر ہے کہ دولت کے اعتبار سے ہم کو کچھ نسبت نہیں' علوی خاں کا چوتھائی بھی یہاں نہیں لیکن آپ تو لڑکا بیاہتی ہیں۔ آپ کو جہیز کی کیا فکر؟ لڑکی دیتی ہو تو انسان یہ بھی سوچ کرے کہ بھلائی لڑکی کا گزر دیکھ لو' یا کوئی غریب ہو اور بہو کے جہیز پر ادھار کھائے بیٹھا ہو وہ اس کی فکر کرے تو بجا ہے۔ آپ تو بیٹی لیتی ہیں اور سب کچھ خدا کا دیا ہوا آپ کے یہاں موجود ہے' آپ کو تو لڑکی چاہیئے۔ سو لڑکی آپ کی دیکھی ہوئی ہے کوئی حال اس کا آپ سے مخفی نہیں۔ ذات جو کچھ بری بھلی ہے۔ آپ کو معلوم ہے۔"

شاہ زمانی نے کہا۔ "کیا ہوا۔ پھر بھی جوڑ دیکھ کر بات کی جاتی ہے۔"

اصغری نے کہا۔ "بیگم صاحب! خطا معاف اب جوڑ کہاں ہے جوڑ تو ان دنوں تھا۔ جب علی نقی خاں نے اسی گھر میں بہن کو بیاہ دیا تھا۔ یا یہ وہی گھر ہے کہ بیٹی لینے کے واسطے بھی جوڑ نہیں۔ اب کیا اس گھر میں کیڑے پڑ گئے ہیں؟ دولت نہیں' سو یہ بڑا بول خدا کو نہیں بھاتا۔"

اصغری نے شاہ زمانی کو ایسا آڑے ہاتھوں لیا کہ بات نہ بن پڑی اور شاہ زمانی نے کہا۔ "استانی جی تم تو خفا ہوتی ہو؟"

اصغری نے کہا۔ "بیگم صاحب میری کیا مجال ہے' مجھ کو تو امید تھی کہ آپ اس بات میں امداد کیجئے گا' نہ کہ خود آپ ہی کو ناگوار ہے۔"

شاہ زمانی نے کہا۔ "استانی جی! برا مانو یا بھلا۔ جوڑ نہیں ہے۔

اصغری نے کہا۔ "دولت میں ہم جوڑ نہیں ہیں۔ ذات میں برابری کا دعویٰ ہے' ہنر میں انشاء اللہ وہ ہماری جوڑ نہ ٹھہریں گے کیا مضائقہ

خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد

ایک بات میں وہ کم ایک بات میں ہم کم' ہماری ایسی بہو دنیا میں چراغ لے کر ڈھونڈھتے پھریں گے تو نہ ملے گی۔"

شاہ زمانی بیگم نے کہا۔ "استانی جی اقبال مند خاں کے لڑکے کا رقعہ کیوں نہیں منگواتیں"

اصغری نے کہا۔ "میں نے سنا تھا کہ آپ کے گھر بات ہو رہی ہے اس سے میں نے کچھ خیال نہیں کیا اور رقعوں کی کیا کمی ہے؟ لڑکیوں کو لڑکے بہت اور لڑکوں کو لڑکیاں بہت۔ میں نے یہ سوچا کہ ہنر اور دولت کا ساتھ ہے یہ چیز امیروں کے لائق ہے اور امیر اس کو زیبا ہیں' بات ٹھہر جائے تو دونوں کے لیے اچھا ہے۔ لیکن اگر منظور نہیں ہے تو آپ دلدار جہاں سے نسبت کر دیکھئے؟"

شاہ زمانی نے کہا۔ "ابھی دلدار بچہ ہے' اور میرا ارادہ ہے کہ اس کو غیر جگہ دوں' رشتے میں رشتہ بے لطفی سے خالی نہیں ہوتا۔"

شاہ زمانی تو یہ کہہ کر رخصت ہوئی حسن آرا بیٹھی رہ گئی۔

خالہ نے کہا بھی کہ بیٹا چلو!

حسن آرا بولی۔ "آپ چلئے میں استانی جی سے کئی برس میں ملی ہوں باتیں کروں گی۔"

جب شاہ زمانی چلی گئیں تو حسن آرا نے کہا۔ "استانی جی اماں تو راضی ہیں' یہی حضرت بات کو بگاڑ رہی ہیں۔ منہ سے انکار کرتی ہیں تو کرنے دو' اصل مطلب یہی ہے کہ دلدار کی بات ٹھہر جائے۔"

اصغری نے کہا۔ "اب تقدیر کی بات ہے بھلا ان کے ہوتے ہماری کیا اصل ہے' لیکن بوا حسن آرا میں نے تو کچھ بے جا بات نہیں سوچی تھی؟ پیوند ملتا دیکھ لیا تھا۔ تمہارا اتنا بڑا

گھر اور اللہ آمین کا ایک لڑکا جو کچھ مال و متاع ہے سب اسی کا ہے۔ پس اتنے بڑے کارخانے کے سنبھالے کو بھی عقل درکار ہے اور بڑا سلیقہ چاہیئے۔ محمودہ غریب گھر کی ہے تو کیا ہے؟ اللہ رکھے حوصلہ اور سلیقہ امیروں ایسا ہے۔ تمہارے گھر میں اگر کوئی بے سلیقہ آئی اور جہیز کے چھکڑے لائی تو کس کام کی؟ اس کو اپنے جہیز کا رکھنا اٹھانا مشکل پڑ جائے گا۔ تمہارے گھر کا انتظام کیا کر سکے گی۔ محمودہ تو ماشاء اللہ ملک کا انتظام کرنے والی ہے پھر بوا حسن آرا یہ بات بھی سوچنی چاہیئے کہ رشتہ ناتا کس غرض سے ہوتا ہے؟ دنیا میں جہاں تک ہو سکے میل ملاپ کو بڑھانا چاہیئے گھر کے گھر میں نسبت ناتا کر لیا تو کیا شادی بیاہ؟ جب کرے غیر جگہ۔"

حسن آرا بولی۔ "استانی جی میں نے اور آپا نے خوب خوب طرح پر اماں سے کہا ہے اور اب یہ سب باتیں اماں سے کہوں گی امید تو ہے کہ یہی بات ور رہے۔"

غرض اصغری نے یہ سب پٹی پڑھا کر حسن آرا کو رخصت کیا۔

وہاں شاہ زمانی نے سلطانہ سے جا کر کہا۔ "بوا میں نے تو استانی کے منہ پر صاف کہہ دیا کہ تمہارا ان کا جوڑ نہیں' آدمی کو سمجھ کی بات منہ سے نکالنی چاہیئے۔"

لیکن بیچ میں یہ پڑا تھا کہ شاہ زمانی اپنے منہ سے اپنی لڑکی کے واسطے نہیں کہہ سکتی تھی۔ شاہ زمانی کے دل میں تو یہ بات تھی لیکن یہ سوچی ہوئی تھی کہ مردوں مردوں میں بات ہو جائے گی۔ اب محمودہ کی بات میں غریبی پر بڑا اعتراض تھا۔ آخر شاہ زمانی سے الگ ہو کر سلطانہ بیگم نے اپنی دونوں بیٹیوں سے جو صلاح کی تو حسن آرا نے کہا۔ "اماں بات صاف تو یہ ہے کہ خالہ اماں دلدار کے واسطے تجویز کرتی ہیں۔"

سلطانہ نے کہا۔ "بھلا ارجمند سے بھی ہنسی ہنسی میں پوچھو!"

جمال آرا نے بھائی کو بلایا اور کہا۔ "کہ کیوں بھائی تمہاری شادی بیاہ کی تجویز ہو رہی ہے تم بھی تو کچھ بولو دلدار جہاں سے راضی ہو؟"

ماں کے منہ پر لحاظ کے سبب ارجمند کچھ نہ بولا لیکن اشارے سے اپنی بہنوں سے انکار کیا۔ اس کا انکار جمال آرا اور حسن آرا کو حجت ہو گیا حسن آرا نے کہا۔ "صورت شکل' ہنر سلیقہ یہ باتیں تو محمودہ کے پاسنگ بھی کسی لڑکی میں نہ ملیں گی' اس کا ذمہ تو میں کرتی ہوں' ہاں چاہو کہ سونے کا چھپر کھٹ ملے سو یہ ان بے چارے غریبوں کے پاس کہاں"

سلطانہ بولی۔ "بوا اصل تو لڑکی دیکھنا ہے خدا کے فضل سے ہمارے گھر میں خود کسی چیز کی کمی نہیں ہم کو بھاری جہیز لے کر کیا کرنا ہے؟"

جمال آرا نے کہا۔ "پھر کیا تامل ہے؟ بسم اللہ کیجئے۔"

حسن آرا نے کہا "گو غرض ہے لیکن استانی جی بڑی چال کے آدمی ہیں۔ منہ سے نہیں کہتیں تو کیا ہے وقت پر حیثیت سے بڑھ کر کریں گی۔"

سلطانہ نے کہا۔ "اچھا تمہارے ابا آئیں تو ان سے بھی صلاح پوچھی جائے۔"

چھوٹے حکیم صاحب آئے تو جمال آرا اور حسن آرا نے محمودہ کے مقدمے کو اس طرح پیش کیا جیسے کچہری میں وکیل اپنے موکل کے مقدمے کو پیش کرتے ہیں۔ غرض چھوٹے حکیم صاحب نے بھی محمودہ کی بات کو پسند کیا۔

اب تو دونوں بہنیں بے تحاشا اصغری کے پاس دوڑی گئیں۔

محمد کامل کی ماں کو اصلا ان باتوں کی خبر بھی نہ تھی انہوں نے پوچھا بھی کیا ہے؟ بیگم صاحب اس طرح کیوں دوڑتی ہو؟ پائچے تو اٹھا کر چلو۔

حسن آرا نے کہا۔ "کچھ نہیں استانی جی کے پاس جاتے ہیں"

اصغری کے پاس جاتے ہی حسن آرا نے کہا۔ "لیجئے استانی جی مبارک ہمارا انعام دلوایئے۔"

اصغری نے کہا۔ "خدا تم سب صاحبوں کو بھی مبارک کرے اور انعام دینے کا میرا کیا منہ ہے، میرا انعام ہے دعا' سو شبانہ روز میں تمہاری دعا گو ہوں۔"

حسن آرا نے کہا۔ "نہیں استانی جی ہم تو آج اپنا منہ ضرور میٹھا کرائیں گے۔"

اصغری نے کہا۔ "بیٹھئے بیٹھئے مٹھائی کھایئے گا۔"

دیانت کو بلایا اور پانچ روپے نکال اس کے ہاتھ دیئے اور کہا گھنٹے والے کی دکان پر سے بہت عمدہ قلاقند' اور دریبے کے نکڑ سے پیٹھے کی مٹھائی اور شاہ تارا کی گلی سے موتیا پاگ' اور چاندنی چوک سے نوزات اور نیل کے کٹرے سے گھی کی تلی دال اور خانم کے بازار سے نمش۔ ابھی جا کر لاؤ اتنے میں دونوں کو گلوریاں بنا کر دیں اور مٹھائی کی ٹوکری آموجود ہوئی' اصغری اکبری' حسن آرا' جمال آرا سب نے مل کر خوب کھائی' اور جو بچی مکتب میں بھیج دی۔

اب چلتے ہوئے اصغری نے کہا۔ "اس وقت تک میں نے اماں جان کو خبر نہیں کی تھی۔ اب ان سے تذکرہ کر کے انشاء اللہ پرسوں اچھی تاریخ اور اچھا دن ہے۔ معمولی رسم ادا ہو جائے۔"

یہ دونوں تو رخصت ہوئیں' اصغری نے ساس سے کہا۔ "اماں جان کچھ محمودہ کی فکر ہے۔"

ساس بولیں۔ "کیا فکر کروں کہیں سے بات بھی آئے' میں ایک جگہ سوچی بیٹھی ہوں' محمد صالح کے ساتھ محمودہ کا بیاہ کر دوں گی۔"

اصغری نے کہا۔ "کجا محمد صالح اور کجا محمودہ' بھائی محمد صالح کی عمر بھائی جان سے کچھ کم نہ ہو گی۔"

محمد کامل کی ماں بولیں۔ "ہاں عاقل چھ مہینے میں صالح سے بڑا ہے' ایک ہی برس کے دونوں پیدا ہیں۔"

اصغری نے کہا۔ "بھلا پھر تھوڑا فرق ہے؟"

محمد کامل کی ماں نے کہا۔ "اور تو کہیں سے سلام پیام نہیں۔"

اصغری نے کہا' میں نے ایک بات سوچی ہے اگر آپ کو پسند ہو تو ذکر چلاؤں۔"

محمد کامل کی ماں نے پوچھا۔ "وہ کیا؟"

اصغری بولی۔ "حکیم فتح اللہ خان کے لڑکے سے۔"

محمد کامل کی ماں بولیں۔ "بھلا بٹی جھونپڑے کا رہنا اور محلوں کی خواب دیکھنا کجا حکیم جی کا گھر آج ان کے یہاں وہ دولت ہے کہ شہر میں ان کا ثانی نہیں اور کجا ہم غریب کے رہنے تک کا جھونپڑا بھی درست نہیں' یہاں کی بات کیا ان کی خاطر میں آئے گی ناحق کہہ کر بھی پشیمان ہونا ہے۔"

اصغری نے کہا۔ "وہ دولت مند ہیں تو اپنے واسطے ہیں ہم کو کیا' خدا نہ کرے کچھ ان کے دست نگر ہیں' وہ اپنے پلاؤ زردے میں مست ہیں' تو ہم اپنے دال دلیے میں مگن ہیں ذات میں ہم ان سے ہیٹے نہیں ہنر جو ماشاء اللہ ہماری محمودہ میں ہے وہ ان کے بڑوں میں بھی نصیب نہ ہوا ہو گا۔"

محمد کامل کی ماں نے کہا۔ "بوا دولت کے آگے ہنر ہاتھ باندھے کھڑا رہتا ہے' سونے کا چھپر کھٹ پہلے بنوا لوں تب ان سے بات کرنے جاؤں۔ ہرگز ہرگز تم اس کا خیال مت کرو' اے لو علوی خاں میں کیا برائی تھی؟ رقعہ بھیج کر انہوں نے الٹا منگوا لیا۔ بوا غریبوں کی کھپت غریبوں میں ہو سکتی ہے۔"

اصغری نے کہا۔ "ہزار دولت کی ایک دولت تو خوبصورتی ہے' چشم بددور' ہماری محمودہ سے بہتر کنبے میں تو ڈھونڈھ لیں۔"

محمد کامل کی ماں بولیں۔ "بوا تم کیسی لڑکیوں کی سی باتیں کرتی ہو حسن بھی ہم سری کی حالت میں پوچھا جاتا ہے اور پھر یہ بات منہ سے کہنے کی ہے کہ ہماری لڑکی خوبصورت ہے اور میں تو نہیں سمجھتی کہ خوب صورتی کیا بلا ہے؟ بڑی بڑی خوب صورتوں کو دیکھا' جوتیوں کے برابر قدر

نہیں اور بد شکلیں ہیں کہ لالوں کی لال بنی بیٹھی ہیں۔"

اصغری نے کہا۔ "خوب صورتی بھی ایسی چیز ہے کہ آدمی اس پر فریفتہ نہ ہو مگر اکثر آدمی جن کی صورت اچھی ہوتی ہے سیرت کے خراب اور مزاج کے گندے ہوتے ہیں ان کو اپنی صورت پر ناز ہوتا ہے۔ اس وجہ سے ان کی دال نہیں گلنے پاتی اور ان کا مزاج ان کے حسن کی قیمت گھٹا دیتا ہے۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک گھوڑا ہے' رنگ کا صاف' ہاتھ پاؤں کا اچھا' بال بھونری سے پاک' جوڑ بند کا درست' لیکن بد رفتار' کٹر ہے' دولتی الگ چلاتا ہے' سواری میں الف ہو کر الٹ جاتا ہے۔ ایسے نامراد گھوڑے کی صورت لے کر کوئی کیا کرے۔ لیکن اگر پاکیزگی صورت کے ساتھ شائستہ' قدم باز اور غریب بھی ہو' تو نایاب چیز ہے جیسی ہماری محمودہ صورت سیرت دونوں ماشاء اللہ ایک کا جواب ایک۔"

محمد کامل کی ماں نے کہا۔ "آخر کچھ دینے کو بھی چاہیے ابھی تھوڑی دیر ہوئی کہ تمہاری کتب کی لڑکی پڑھ رہی تھی۔

با مکن   یا فیل   باناں   دوستی

یا درے   افراز   بر   بلائے   پیل

یعنی یا فیل بانوں سے میل مت کر اور جو کرنا ہے تو ہاتھی کی آمد و رفت کے لائق گھر کا دروازہ اونچا بنا' ہم غریبوں کے پاس ان کی شان کے لائق دینے کو کہاں' ناحق بیٹھے بٹھائے اپنی ہنسی کرانی کیا ضرور ہے' اور فرض کیا بات ہو بھی گئی اور لڑکی وہاں نظروں میں حقیر رہی تو۔ نقصان مایہ شماتت ہمسایہ۔"

اصغری نے کہا۔ "عزت اور ذلت کچھ جہیز پر منحصر نہیں۔ میاں بی بی کی موافقت تو اور ہی چیز ہے۔ جمال آرا کیا کم جہیز لے کر گئی تھیں۔ لیکن ایک دن بھی سسرال میں رہنا نصیب نہ ہوا۔ دور کیوں جاؤ ہماری آپا کو بھی ہمارے برابر ملا تھا۔ پھر کیوں روز لڑائی ہوتی ہے۔ یہ تو اپنا اپنا مزاج اور سلیقہ ہے۔"

محمد کامل کی ماں بولیں۔ "یہ تو میں نے مانا کہ میاں بی بی کا پیار اخلاص' جہیز پر موقوف نہیں' لیکن کنبے قبیلے کے لوگ بے کہے کب باز آتے ہیں' اور لڑکے نے خیال نہ کیا تو کیا ہے۔ ساس نندیں ہیں موقع پا کر کبھی بات میں کہہ گزریں۔ آخر دل کو برا لگتا ہی ہے۔ ایک تو بیٹی والے کا یونہی سر نیچا ہوتا ہے۔ اس پر دان جہیز واجبی واجبی اور غضب ہے نا بوا یہ بیل منڈھے چڑھتی نظر

نہیں آتی۔"

اصغری نے کہا۔ "کنبے والوں سے کیا مطلب؟ کنبے والے ہر روز تھوڑے ہی پاس بیٹھے رہتے ہیں۔ ہاں ساس نندوں کے رات دن کے طعنے بے شک غضب کا سامنا ہے۔ سو حسن آرا اور جمال آرا طعن و تشنیع کا تو کیا ذکر محمودہ کے پاؤں دھو دھو کر پیا کریں گی' ایسا بھی کیا اندھیر ہے' کیا بیاہ ہوتے کے ساتھ آنکھوں پر ٹھیکری رکھ لیں گی' حسن آرا کو جیسی محبت محمودہ کے ساتھ ہے' آپ تو دیکھتی ہیں۔ رہیں جمال آرا سو دل کی خدا جانے ظاہر میں جب ملتی ہیں بچھی جاتی ہیں میں بھی آخر جیتی بیٹھی ہوں۔ محمودہ کو بری طرح رکھیں گی تو مجھ کو کیا منہ دکھائیں گی اور سو بات کی تو ایک بات میں یہ جانتی ہوں کہ ساس نندیں بھی ہوا دیکھا کرتی ہیں۔ لڑکے کو ریجھا ہوا دیکھیں گی تو کسی کی مجال نہیں کہ محمودہ کو آنکھ بھر کر دیکھ لے۔"

محمد کامل کی ماں نے کہا۔ "آخر تمہاری مرضی کیا ہے؟ شربت کے پیالے پر نکاح پڑھا دوں"

اصغری نے کہا۔ "یہ تو میرا مطلب نہیں اور نہوت میں شربت بھی نہیں جڑتا' تو کیا بیٹا بیٹی کے کام کاج نہیں کرتے؟ دینا دلانا بھی ایک دنیا جہان کی رسم ہے۔ جتنی چادر دیکھے اتنے پاؤں پھیلائے' مقدور موافق جو بن پڑا دیا' نہ بن پڑا نہ دیا۔ نام نمود کے پیچھے گھر کا دیوالہ نکال بیٹھنا بھی عقل کی بات نہیں' میرے مکتب میں سلمیٰ لڑکی پڑھتی ہے' اس کے ابا کو غدر کے پیچھے سرکار سے دس ہزار روپیہ انعام کا ملا تھا کسی میم کی جان بچائی تھی' دس ہزار روپیہ ان کو اتنا تھا کہ عمر بھر آبرو سے رہتے۔ ایک بیٹا اور ایک بیٹی بیاہنے کو اٹھے۔ شیخی میں آکر دس ہزار سرکار کا دیا ہوا اٹھا بیٹھے اور ہزار پانچ سو اوپر سے قرض لے کر لگا دیا۔ اس وقت تو خوب ہر طرف سے واہ واہ ہوئی اب گھر میں اس قدر تنگی ہے کہ کھانے تک کو حیران ہیں' بیاہ میں مجھکو بلاوا آیا تھا سامان دیکھ کر میرے تو ہوش اڑ گئے بلکہ شاید سلمیٰ کی اماں نے جی میں برا بھی مانا ہو میں نے تو کہہ دیا تھا کہ بوا بیٹا بیٹی کا دینا آنکھوں سکھ کلیجے ٹھنڈک' گھی کہاں گیا کھچڑی میں۔ مگر اپنی ہنڈیاں کی خیر منانی بھی ضرور ہے۔ کہنے کو تو میں اتنا کہہ گزری مگر پیچھے مجھ کو پچھتاوا بھی آیا کہ سلمیٰ کی بہن سمجھی ہو گی کہ استانی جی' دینا ایک نہ دینا دو' ناحق بھانجی مارتی ہیں۔"

محمد کامل کی ماں نے کہا۔ "ہاں سچ ہے' مگر کم بخت دنیا میں رہنا ہے' کیا کریں' کہاں جائیں' ہو یا نہ ہو کرنا ہی پڑتا ہے۔ دنیا کی سی نہ کریں تو نکو کون بنے' انگشت نما کون ہو؟ میں نے مولوی اسحاق صاحب کے درس میں سنا تھا کہ اگلے وقتوں میں عرب کے لوگ بیٹیوں کو پیدا ہوتے ہی مار ڈالتے تھے۔"

اصغری نے کہا۔ ''اماں جان دور کیوں جاؤ ہمارے ملک کے راجپوت بھی تو یہی غضب کرتے تھے۔ اب انگریزوں کی روک ٹوک سے بندی ہوئی ہے اس پر بھی کئی دفعہ بھنک سن پڑی ہے کہ چوری چھپے خون ہوئے۔''

محمد کامل کی ماں نے کہا۔ ''عقل کیا کرے؟ غیرت قبول نہیں کرتی۔''

اصغری بولی۔ ''غریبی میں غیرت کی کیا بات ہے؟ دنیا میں غریب لوگ زیادہ ہیں۔ اگر غریب ہونا غیرت کی بات ہے تو دنیا میں بے غیرت بہت ہیں۔ امیری غریبی سب اپنی اپنی قسمت ہے سب یکساں کیوں کر ہو جائیں۔''

محمد کامل کی ماں بولی۔ ''اے ہے بلا سے، شادی بیاہ میں بہت خرچ کرنے کی تو کچھ انگریز کی سرکار سے مناہی ہو جاتی تو جھگڑا مٹتا۔''

اصغری ''اخبار سے تو معلوم ہوتا ہے کہ انگریز لوگ کچھ بندوبست کرنے والے ہیں ہمارے شہر کے رئیس بھی تو سب بلائے گئے تھے اور سنا ہے کہ خرچ کی ایک حد باندھی گئی ہے مہر کا اندازہ مقرر ہوا ہے مگر یہ کام ہم لوگوں کے کرنے کے ہیں سب ایکا کر کے جتنے خرچ فضول ہیں موقوف کریں۔''

محمد کامل کی ماں۔ ''خرچ کے فضول ہونے کی جو تم نے کہی تو جس کو خدا نے دیا ہے کچھ فضول نہیں، ہاں جس کے پلے کوڑی نہیں اس کو تو سب ہی فضول ہے۔''

اصغری۔ ''یہ نہ فرمائیے شادی بیاہ میں تو واجبی خرچ کم ہے فضول باتوں میں بہت روپیہ اٹھ جاتا ہے ہمارے خاندان میں تو ناچ تماشا باجا گاجا، آتش بازی، نوبت، نقارہ کچھ ہوتا ہواتا نہیں، مگر جب کے یہاں ہوتا ہے۔ اسی میں سینکڑوں ہزاروں پر پانی پھر جاتا ہے۔''

محمد کامل کی ماں۔ ''ناچ تماشا جن کے ہاں ہوتا ہو وہ جانیں بھلا ہمارے یہاں کون خرچ فضول ہے؟''

اصغری۔ ''کیوں نہیں؟ منگنی، تیر، تہوار، ساچق، مہندی، برات، بھوڑا، چوتھی، چالے، بہت بھاری بھاری جوڑے، جڑاؤ، گہنا، سب ہی فضول ہیں۔''

محمد کامل کی ماں۔ ''تو سیدھی یہی ایک بات کیوں نہیں کہتیں سرے سے بیاہ ہی فضول ہے۔''

اصغری ہنسنے لگی اور کہا۔ ''کہ بیاہ تو فضول نہیں، مگر اس کے لازمے البتہ ناحق کے ڈھکوسلے ہیں۔''

محمد کامل کی ماں۔ "بھلا رسمیں تو رسمیں تم تو کپڑوں اور زیور کو بھی فضول بتاتی ہو۔"

اصغری۔ "نرے کپڑے اور نرا زیور تو کام کی چیز ہے مگر بھاری بھاری جوڑے آپ ہی انصاف فرمایئے کہ کس کام آتے ہیں؟ خود میرے جوڑے پڑے سڑتے ہیں گھر میں پہننے سے کم بخت دل کڑھتا ہے' کبھی کبھار شادی بیاہ میں پہن گئے یا عید بقر کو ذرا کی ذرا نکلے۔ باقی بارہ مہینے گٹھری میں بندھے رکھے ہیں۔ آئے دن دھوپ دینا مفت کا درد سر اور جو بیچنے اٹھو تو مال کا مول نہیں ملتا' مصالح کے دام تک بھی نہیں کھڑے ہوتے اور یہی حال جڑاؤ زیور کا ہے۔ مولوی کفایت اللہ کی بیٹی کا بیاہ' آپ نے سنا ہے' بس ایسے بیاہ مجھ کو پسند ہیں۔"

محمد کامل کی ماں۔ "کون مولوی کفایت اللہ؟"

اصغری۔ "لڑکیوں کے مدرسوں کے افسر۔"

محمد کامل کی ماں۔ "وہ تو شاید شہر کے رہنے والے نہیں ہیں؟"

اصغری۔ "نہیں آگرے کی طرف کے رہنے والے ہیں۔ بیوی بچوں کو اپنے پاس بلا لیا ہے۔ بیٹی کی منگنی اسی شہر میں کی تھی بیوی کی مرضی یہ تھی کہ اپنے شہر میں جا کر بیٹی کا بیاہ کریں۔ یہاں سے برات جائے مولوی صاحب نے بیوی کو سمجھا بجھا کر راضی کر لیا۔ ایک دن دو چار میل ملاپ والوں کو بلا بھیجا' مہمان جو گھر میں پہنچے تو سنا کہ بیٹی کا نکاح ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد سمدھی لڑکے کو ساتھ لے آموجود ہوئے شرع محمدی نکاح پڑھا دیا اللہ اللہ خیر صلاح' دان جہیز جم ہی جم دیا نکاح کے بعد پانسو روپے نقد مولوی صاحب نے بیٹی داماد کے آگے لا کر رکھ دیے اور کہا کہ --------- بس بھائی میری کمائی میں تمہاری تقدیر کا اسی قدر تھا' اگر میں چاہتا تو اس میں مہمان داری بھی کر دیتا اور دنیا کے دستور موافق ایک دو بھاری جوڑے بھی بنا لیتا' مگر میں نے سوچا تو یہی مناسب معلوم ہوا کہ نقد روپے تم کو دینا بہتر ہے -------- اب تم جس طرح چاہو اس کو کام میں لاؤ۔"

محمد کامل کی ماں سن کر بولیں۔ "کہ ہاں پردیس میں مولوی صاحب جو چاہتے سو کرتے کہنے سننے والا کون تھا۔"

اصغری۔ "کیوں؟ کہنے سننے والی گھر والی بیوی اور پردیس پر کیا موقوف ہے ہمت چاہیئے۔ کرنے والا ہو تو شہر میں بھی کر گزرے' کہنے والوں کو بکنے دیا اپنے کام سے کام۔"

محمد کامل کی ماں۔ کیا تم نے محمودہ کا اس طرح کا اونگھا اداس نکاح تجویز کیا ہے"

اصغری۔ "بے شک میں تو لوگوں کے کہنے سننے کی کچھ پروا نہیں کرتی میرا بس چلے تو محمودہ کا نکاح کفایت اللہ کی بیٹی کا جواب ہو۔ انہوں نے تو دو چار مہمان بھی بلائے تھے اور میرے نزدیک

اس کی بھی ضرورت نہیں۔"

محمد کامل کی ماں۔ "نہ بوا خدا کے لیے ایسا غضب تو مت کرو۔ اس بڑھوتی میں میری تو یہی ایک بچی بیاہنے کو ہے۔ اب کیا میں قبر سے کسی کا بیاہ برات کرنے پھر آؤں گی؟"

اصغری۔ "نہیں ایسا تو میرا بھی ارادہ نہیں ہے البتہ یہ بات ضرور میں نے اپنے دل میں ٹھان رکھی ہے کہ نہ تو ایک پیسہ قرض کا لیا جائے اور نہ کوئی جائیداد گروی رکھی جائے' جو کچھ جوڑا بٹورا اس کے نام کا رکھا ہے اور جو کچھ اس کی تقدیر سے عین وقت پر ہو جائے بس کافی ہے۔"

محمد کامل کی ماں۔ "سبحان اللہ ایسا ہو تو کیا بات ہے؟ مگر جب دوسری طرف والے بھی ہامی بھریں۔"

اصغری نے کہا۔ "اور اگر وہ راضی ہو جائیں۔؟"

محمد کامل کی ماں بولیں۔ "ان کا راضی ہونا کیا ہنسی ٹھٹھا ہے اللہ آمین کا ایک تو بیٹا۔ نہیں معلوم کیا کیا حوصلے ان کے دلوں میں ہیں۔ وہ تو برابر کے گھر کا گھر دیکھ کر بات کریں گے اور سب ارمان نکالیں گے۔"

اصغری نے کہا۔ "جب سے میں سیالکوٹ سے آئی ہوں اس بات کی فکر کر رہی ہوں' ادھر سب ٹھیک ٹھاک ہو گیا ہے۔ ابھی جمال آرا اور حسن آرا بھاگی ہوئی آئیں تھیں۔ چھوٹے حکیم صاحب کو بھی منظور ہے شاہ زمانی بیگم نے اپنی بیٹی کے واسطے بہت بہت تدبیریں کیں۔ خدا کے فضل سے کوئی کارگر نہ ہوئی اب دیر نہیں کرنی چاہیئے پرسوں دن بھی اچھا ہے ادھر سے مٹھائی آجائے بات پکی ہو جائے پھر بیاہ کو دیکھا جائے گا۔"

محمد عاقل کی ماں یہ سن کر حیران رہ گئیں اور کہا۔ "کہ بات تو بہت اچھی ہے۔ ہماری لیاقت سے کہیں زیادہ ہے۔ لیکن ان کے لائق سامان ہم سے ہونا مشکل ہے۔"

اصغری نے کہا۔ "خدا مسبب الاسباب ہے جب محمودہ کی تقدیر ایسے اونچے گھر میں لڑی ہے تو خدا اپنی قدرت سے وقت پر کچھ سامان بھی کر دے گا۔"

محمد کامل کی ماں نے کہا۔ "اپنے سسرے کو آنے دو تو مٹھائی کے واسطے ان سے پوچھ دوں۔ "تھوڑی دیر میں مولوی صاحب آئے اور منگنی کا حال سن کر بہت خوش ہوئے اور کہا۔ "کہ بے تامل پرسوں مٹھائی آوے۔"

اصغری نے حسن آرا کو کہلا بھیجا۔

روز مقرر پر پانچ من مٹھائی اور سو روپے آگئے' ادھر سے سوا من مٹھائی اور سوا سو روپیہ

گیا۔ ہر طرف سے مبارک سلامت ہو گئی۔

منگنی کا ہونا تھا کہ چھوٹے حکیم صاحب نے بیاہ کا تقاضا شروع کیا اور مولوی صاحب سے کہلا بھیجا کہ مدت سے میرا ارادہ حج کو جانے کا ہے اور صرف اسی بات کا انتظار ہے۔ زندگی کا اعتماد نہیں جی چاہتا ہوں کہ رجب کے مہینے میں عقد ہو جائے۔

مولوی صاحب نے اصغری نے پوچھا۔

اصغری نے کہا۔ "بالفعل یہ کہلا بھیجنا چاہئے کہ ہم فکر میں ہیں جہاں تک ہو سکتا ہے تدبیر کرتے ہیں سامان مختصر جو دینا منظور ہے۔ اگر اس عرصے میں جمع ہوا جاتا ہے تو ہم کو بھی یہ فرض آخر ادا کرنا ہے جس قدر جلد ہو بہتر۔"

حکیم صاحب نے پھر کہلا بھیجا کہ "میں نے جہیز اور سامان کی امید سے آپ کے یہاں رشتہ نہیں کیا مجھ کو لڑکی چاہئے آپ سامان کی فکر کچھ نہ کیجئے۔"

ادھر سے جواب گیا کہ بہت خوب ہم کو بھی رجب میں عقد کر دینا منظور ہے۔

ستائیس تاریخ رجب کی مقرر ہوئی اور دونوں طرف سامان ہونے لگے۔ سامان کا شروع ہونا تھا کہ مولوی صاحب کو فکر پیدا ہوئی' کبھی کہتے تھے کہ ہزاری مل سے قرضہ لوں کبھی سوچتے تھے گھی کا کٹڑا بیچ ڈالوں یا گروی رکھ دوں۔

اصغری نے مولوی صاحب کو پریشان دیکھ کر پوچھا۔ "کہ آپ نے کیا تدبیر کی ہے؟"

مولوی صاحب نے کہا۔ "کیا بتاؤں شادی کی تاریخ سر پر چلی آتی ہے اور روپے کی صورت کہیں سے بن نہیں پڑتی' ہزاری مل سے میں نے روپیہ مانگا تھا وہ بھی ٹال گیا۔ گھی کے کٹڑے کو جدا کر دینے کا ارادہ کیا تھا کوئی خریدار نہیں کھڑا ہوتا۔"

اصغری نے کہا۔ "ہرگز ہرگز آپ قرض نہ لیجئے اور نہ جائیداد کو فروخت کیجئے قرض سے بدتر کوئی چیز نہیں اور جائیداد کا جدا ہونا کون مشکل ہے' لیکن پھر اس کا بہم پہنچنا بہت دشوار ہوتا ہے۔"

مولوی صاحب نے کہا۔ "قرض تو لوں نہیں اور جائیداد کو جدا نہ کروں تو کیا میں کیمیا گر ہوں یا دست غیب جانتا ہوں روپیہ کہاں سے آئے؟"

اصغری نے کہا۔ "پہلے گھر کا حساب دیکھ لیجئے کپڑے تو کچھ پہلے سے تیار ہیں' صرف تھوڑا مصالح درکار ہو گا۔ سو میرے جوڑوں میں بعضے بہت بھاری ہیں' ان میں سے کم کر کے اتنا مصالح نکل آئے گا کہ محمودہ کے جوڑوں کو کافی ہو جائے گا۔ برتن موجود ہیں کوئی مول لینا نہیں۔ کاٹ

کباڑ سامان بالائی یہ سب میں اپنا دے دوں گی' بے فائدہ پڑا پڑا خراب ہوتا ہے۔ نہ میرے کسی مصرف کا ہے اور آخر آپ کے پاس بھی کچھ روپیہ نقد ہو گا؟"

مولوی صاحب نے کہا۔ صرف پانسو روپیہ۔"

اصغری نے کہا۔ "بس بہت ہے جب میں سیالکوٹ جانے لگی مکتب کی رقم کے چار سو روپے تھے وہ امانت رکھے ہیں میرے پیچھے دو سو روپیہ اور ہوا سو آدھا آپا کا حق ہے اور سو روپے محمودہ کا یہ ملا کر مکتب کی رقم کے پانسو ہو جائیں گے۔ محمودہ کے چھوٹے بھائی کو میں نے خط لکھا ہے اور تین سو روپیہ منگوایا ہے۔ دو سو روپے بھائی جان نے بھیجنے کو لکھا ہے۔ اس طور پر ڈیڑھ ہزار روپیہ نقد اس وقت موجود ہے' ہزار کے کپڑے جو حسن آرا کے بیاہ میں مجھ کو ملے تھے۔ میرے کس کام کے ہیں میرا ارادہ تھا کہ محمودہ کو چڑھا دوں۔ لیکن پھر غور کیا تو اسی گھر کے کپڑے اسی گھر میں جانے مناسب نہیں معلوم ہوتے' میں ان کو بیچ ڈالوں گی' تماشا خانم کی معرفت بازار میں بھیجے تھے پنال تیرہ سو روپے دیتا تھا۔ محمودہ کی تقدیر سے اگر کوئی حاجت مند مل گیا' انشاء اللہ پندرہ سو وصول ہو جائیں گے اور ایک تدبیر یہ ذہن میں آتی ہے کہ آپ بھائی جان کے لانے کو لاہور جائیے اور رئیس پر رخصت کی تقریب میں یہ بات ظاہر کر دیجئے' رئیس بڑا سیر چشم ہے امید ہے کچھ ضرور مدد کرے گا۔ ہمیشہ سے ہندوستانی سرکاروں کا دستور رہا ہے۔ ایسی تقریبات میں اپنے معتمد نوکروں کی اعانت کی ہے۔"

غرض اصغری نے سسرے کو لاہور بھیجا۔ مولوی صاحب رئیس کے سلام کو جو گئے تو رئیس نے پوچھا۔ "مولوی صاحب کیوں کر تشریف لائے؟"

مولوی صاحب نے عرض کیا۔ "کہ بندہ زادی کا عقد ہے اس غرض سے حاضر ہوا ہوں کہ محمد عاقل کو ایک مہینے کی رخصت مرحمت ہو اور یہ تو عرض نہیں کر سکتا کہ حضور کے خاندان سے کوئی شریک ہو' لیکن اگر دیوان صاحب جو دہلی میں ہیں' سرکار کی طرف سے زیب دہ محفل ہوں تو ہم چشموں میں میرے لیے افزائش آبرو کا باعث ہو گا۔"

رئیس نے محمد عاقل کی رخصت بھی منظور کی اور مولوی صاحب کو آنے جانے کا خرچ دیا اور دیوان صاحب کو حکم بھیج دیا کہ ہماری طرف سے مولوی صاحب کی محفل میں شریک ہونا اور پانسو روپے نیوتے کا دینا۔

اصغری کی صلاح سے بیٹھے بٹھائے یہ پانسو روپیہ مفت آ گیا ادھر جڑاؤ کپڑے تماشا خانم کی معرفت قلعے میں پہنچے' نواب تاج محل دیکھ کر لوٹ ہو گئیں اور آنکھ بند کر کے دو توڑے حوالے

کر دیے اب تو روپے کی ہر طرف سے ریل پیل ہو گئی۔

اصغری کا اہتمام عمدہ سے عمدہ جوڑے تیار ہوئے اور چوہرا زیور بنا وہ شادی ہوئی کہ مولوی صاحب کی تو کئی پشتوں میں نہ ہوئی تھی اور سمدھیانے والے بھی سامان دیکھ کر دنگ ہو گئے۔ جو سامان تھا متعدد اور بیش قیمت تھا اور جو چیز تھی نئے طور کی تھی' دو جوڑے تو بیٹے والوں کی طرف سے آئے ایک ریت کے واسطے کرکری تاش کا' دوسرا چوتھی کے واسطے کارچوبی اور گہنے جہیز اور چڑھاوے کے ملا کر تو بے انتہا تھے۔ ناک کی نتھ اور کیل' ماتھے کا ٹیکا' جھومر' بیطہ۔ کانوں میں بالی' پتے جڑاؤ اور سادے' چھپکے کے بالے' کان جھالے' گر' مرکیاں' بجلیاں' کرن پھول' جھمکے' گلے میں گلوبند' طوق چنپا کلی' ستھی توڑا' دھگدگی' چندن ہار' زنجیر' ملا بازو پر' جوشن' نورتن' بھوج بند نونگے۔ ہاتھوں میں کڑے' نوگری' چوہے دتیاں' پہنچے' دست بند' انگلیوں میں انگوٹھی' چھلے جوڑ' پاؤں میں پازیب توڑے چوڑیاں' لچھے' چنکی' چھلے' کارچوبی' جال دار' مصالحہ دار سب ملا کر پچاس جوڑے' دو سو برتن اور اسی حیثیت کا بالائی سامان غرض بڑی دھوم دھام سے عقد ہو گیا۔

محمودہ رخصت ہوئیں۔ قمر آستانی بیگم سسرال سے خطاب ملا۔

حکیم فتح اللہ خاں بڑے متقی' پرہیزگار باخدا آدمی تھے۔ مدتوں سے حج کا ارادہ کر رہے تھے' لیکن صرف ارجمند خاں کے بیاہ کے منتظر تھے' اب بیاہ ہونے کے بعد چند روز تک بہو کا رنگ ڈھنگ دیکھتے رہے' یہاں دیکھنے کی کیا حاجت تھی محمودہ تو بی اصغری صاحب کی خراد پر چڑھ چکی تھی۔ کسی طرح کی کور کسر اس میں باقی نہ تھی۔ حکیم صاحب نے جس قدر آزمایا بہو کو ہنرمند' عاقلہ' سلیقہ شعار پایا۔ کچھ تو خربوزہ میٹھا اور کچھ اوپر سے ملاقند' اول تو خود محمودہ اپنی ذات سے اچھی اور اس پر اصغری کی تعلیم' اصغری کی صلاح' بھلا پھر کیا پوچھنا تھا۔ غرض حکیم صاحب کو خوب یقین ہو گیا کہ قمر آستانی' اچھی خاصی طرح گھر کو سنبھال لیں گی۔

اب حکیم صاحب نے یکایک زور و شور کے ساتھ عرب کی تیاریاں کرنی شروع کیں' یا تو حج کی نیت تھی یا ہجرت کا ارادہ کر لیا۔ نقد کی قسم سے جو کچھ تھا اپنے ساتھ لیا۔ مکانات' دکانیں' کڑے' گنج' دیہات' سرائیں' سب کچھ بیٹے کے نام لکھ دیا۔ رشتے ناتے کے لوگوں نے جیسا دستور ہے سمجھایا بھی لیکن حکیم صاحب کو تو خدا کی دھن تھی ایک نہ سنی خدا کا نام لے چل کھڑے ہوئے اور دنیا بھر کی جائیداد بہو کو دے گئے۔

محمودہ اگرچہ بیاہی جا چکی تھی۔ لیکن پھر بھی اصغری کا ادب لحاظ پہلے سے زیادہ کرتی تھی' ذرا ذرا بات میں اصغری سے صلاح لیتی۔ اب البتہ اصغری کو اپنی عقل آزمانے کا موقع ملا۔ بڑا کارخانہ'

بڑے کام وہ انتظام کیے کہ ارجمند خاں کو خدا جھوٹ نہ بلوائے' وقت کا بادشاہ وزیر بنا دیا۔ کوئی سرکار اس کے مقابلے کی دبلی کیا' دور دور نہ تھی۔ کہاں تک یہ داستان لکھی جائے اتنا لکھا جا چکا ہے۔ لیکن اگر سچ پوچھو تو ابھی من میں چھٹانک بھی نہیں ہوا۔ ابھی تک تو اصغری مفلسی میں تھی' تنگی نہاتی کیا اور نچوڑتی کیا' لیکن اب خدا رکھے دولت ثروت نصیب ہوئی۔ انتظام کا قابو بندوبست کا موقع' من مانتا ملا۔ اس حالت میں جو جو کام اس عورت نے کیے وہ البتہ قیامت تک زمانے میں یادگار رہیں گے مگر افسوس ہے کہ ان کے لکھنے کی فرصت نہیں' پھر بھی اگر نصیحت ماننے والا ہو بات کا سننے والا اور سمجھنے والا تو جس قدر لکھا جا چکا کم نہیں ہر طرح کی بات ہر قسم کی تعلیم اس میں موجود ہے' کہنے کو قصہ اور حکایت ہے لیکن حقیقت میں نصیحت اور ہدایت۔

اب اس کتاب کو ختم کرنے سے پہلے ایک بات اور لکھنی ضرور ہے اور وہ یہ کہ۔

اصغری بہت چھوٹے سے سن میں ماں بن گئی تھی۔ ابھی تک کچھ اس کی اولاد کا تذکرہ نہیں ہوا۔ اصغری کے بچے تو بہت ہوئے لیکن خدا کی قدرت زندہ کم رہے' ایک لڑکا محمد اکمل جو اخیر میں محمودہ کی اکلوتی بیٹی مسعودہ سے بیاہا گیا زندہ رہا۔ یہ لڑکا کئی بچوں کے اوپر پیدا ہوا' اس سے پہلے محمد عادل ایک بیٹا اور بتول ایک لڑکی مر چکے تھے۔ بچوں کی پرورش میں احتیاط تو بتیری ہوتی تھی' سردی' گرمی کا بچاؤ' کھانے تک کے وقت مقرر اور بندھا ہوا انداز اور خبرداری یہ کہ ثقیل اور ردی چیز کہیں منہ میں نہ ڈال لیں۔ دانت نکلنے شروع ہوئے اور مسوڑھوں میں نشتر دیا گیا' ایسا نہ ہو دانتوں کی تکلیف کو بچہ سہار نہ سکے۔ چار برس کے ہوئے اور چیچک کے بچاؤ کی نظر سے ٹیکا لگوا دیا گیا غرض جہاں تک آدمی کی عقل کام کرتی ہے' سب طور کا بندوبست کیا جاتا تھا لیکن تقدیر کے آگے کسی کی حکمت نہیں چلتی۔

محمد عادل چار برس کا ہو کر مرا پیچش ہوئی دست بند کرنے کی دوا دی' بخار آنے لگا سرسام ہو گیا پلا پلایا لڑکا ہاتھ سے جاتا رہا۔ ابھی اس کا داغ تازہ تھا کہ بتول سات برس کی ہو کر بیمار پڑی کچھ ایسے بلا کے دست چھوٹے کہ جان لے کر بند ہوئے' دنیا جہاں کی دوائیں ہوئیں موت کب دوا کو مانتی ہے ایک ہی ہفتے میں لڑکی تحلیل ہو کر چلی گئی' بتول کے مرنے کا اصغری پر بہت بڑا صدمہ ہوا۔ اول تو لڑکی۔ دوسرے کچھ مرنے والی تھی یا کیا؟ ایسی ماں پر فریفتہ تھی کہ ایک دم کو الگ نہ ہوتی تھی۔ ماں نماز پڑھتی ہے تو جائے نماز پر بیٹھی ہے ساتھ سونا' ساتھ اٹھنا' ماں کی دوا تک ہو' چکھ لینا ضرور اور اس چھوٹی سی عمر میں بس پڑھنے میں دھیان' دسویں سپارے کا ترجمہ شروع تھا۔ جب محمد عادل مرا تھا۔ عورتوں نے اصغری کے ایمان میں خلل ڈالنا شروع کیا تھا۔ کوئی کہتی

کوکھ کا خلل ہے مہر علی شاہ کا علاج کرو' کوئی کہتی دودھ پر نظر ہے' چوراہے میں اتار رکھواؤ۔ کوئی کہتی مسان کا دکھ ہے' رمضان شاہ سے گزنت کراؤ' کوئی کہتی مکان اچھا نہیں میر علیم سے کلواؤ' کوئی کہتی سفر میں آئی گئی ہو' کوئی چڑیل لپٹ گئی ہے کچھوچھہ چلو' گنڈے اور تعویذ اور عمل ٹونے ٹوٹکے تو دنیا جہاں کے لوگ بتاتے تھے۔ لیکن واہ ری؟ اصغری یوں اوپر تلے دو بچے مرے لیکن سدا خدا پر شاکر رہی۔

کسی نے کچھ کہا بھی تو یہی جواب دیا خدا کو جب منظور ہو گا تو یوں بھی وہ فضل کر سکتا ہے۔

بتول کے مرنے کی خبر جب دور اندیش خاں صاحب کو ہوئی تو بہت مضطرب ہوئے اور اس اضطراب میں بیٹی کے نام یہ خط لکھا۔

برخوردار اصغری خانم کو بعد دعا کے معلوم ہو

اس وقت دہلی کے خط سے مجھ کو بتول کے انتقال کا حال معلوم ہوا۔ میں اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ مجھ کو رنج نہیں ہوا' مگر میری عقل اس قدر بے جا نہیں ہوئی کہ نادان آدمیوں کی طرح میں بے صبری کروں مجھ کو بڑا تردد تمہارا ہے۔ عجب نہیں کہ تم پر یہ صدمہ بہت شاق ہوا ہو' لیکن ہر ایک حالت میں انسان کو عقل سے مشورہ لینا چاہیئے۔ عقل ہم کو اس واسطے بخشی گئی ہے کہ رنج ہو یا خوشی ہم اپنی عقل سے اس میں مدد لیں۔

دنیا کے حال پر غور کرنا نہایت ضرور ہے اور یہ غور فائدے سے خالی نہیں۔ زمین' آسمان' پہاڑ' جنگل' دریا' انسان' حیوان' درخت' لاکھوں طرح کی چیزیں دنیا میں ہیں اور دنیا کا ایک بہت بھاری کارخانہ ہے۔ دن میں ایک معمول کے ساتھ آفتاب کا نکلنا۔ پھر رات کا ہونا اور چاند اور ستاروں کا چمکنا کبھی گرمی' کبھی سردی' کبھی برسات اور پانی کے اثر سے انواع اور اقسام کے رنگ برنگ پھل' پھول کا پیدا ہونا' ہر ایک بات غور کرنے والے کو برسوں کے سوچنے کو کافی ہے۔

خود آدمی کو اپنا حال غور کرنے کو کیا کم ہے؟ کیوں کر آدمی پیدا ہوتا اور کیوں کر پرورش پاتا اور بڑا ہوتا اور کیوں کر لڑکپن اور جوانی اور بڑھاپے کی حالتیں اس پر گزر کرتی ہیں اور کیوں کر آخر میں دنیا سے سفر کر جاتا ہے۔

یہ بڑا عمدہ اور مشکل مضمون ہے یہ سب کارخانہ کسی مصلحت سے خدا نے جاری کر رکھا ہے' اور جب تک وہ چاہے گا اسی طرح یہ کارخانہ جاری رہے گا۔

یہ دنیا صرف سات یا آٹھ ہزار برس سے ہے اور اس کی عمر بہت تھوڑی ہے یعنی اب قیامت بہت قریب ہے۔ اور جلد تر دنیا کو فنا ہونا ہے' دنیا کی خانہ شماری سے ثابت ہوا ہے کہ

ایک گھنٹے میں ساڑھے تین ہزار آدمی کے قریب دنیا میں مرتا ہے' یعنی ہر ایک پل میں ایک آدمی اور اسی قدر پیدا بھی ہوتا ہو گا۔ اب حساب کر لو کہ صرف ایک مہینے میں کتنے لاکھ آدمی دنیا میں مرتے اور پیدا ہوتے ہیں اور پھر غور کرو۔ کہ سات ہزار برس سے یہی تار چلا آتا ہے' یعنی بے شمار آدمی اب تک دنیا میں مر چکے ہیں۔ پس موت ایک ضروری اور معمولی بات ہے۔

بڑے بڑے زبردست بادشاہ بڑے بڑے عالم' بڑے بڑے حکیم' یہاں تک کہ بڑے بڑے پیغمبر جو مردوں کو جلا سکتے تھے خود موت سے نہ بچ سکے۔ دنیا میں جو پیدا ہوا ہے۔ یہ خدا کا ضروری حکم ہے کہ وہ ایک دن مرے۔

پس اگر یہ حکم کسی دن ہم پر یا ہمارے کسی عزیز قریب پر جاری کیا جائے تو ہم کو کوئی وجہ شکایت اور فریاد کی نہیں

یہ مضمون سرسری نہیں ہے' اس کو خوب غور کرو اور جب تم کو موت کی حقیقت معلوم ہو جائے گی تو مجھ کو یقین ہے کہ تم میری طرح سمجھو گی' کہ کسی کے مرنے پر رنج کرنا لاحاصل ہے اور بے سود ہے۔ کسی کی موت پر رنج کرنا تعلق ہے موقوف ہے اگر ہم سنیں کہ ملک چین کا بادشاہ مر گیا۔ ہم پر اس خبر کا مطلق اثر نہیں ہوتا۔ اس واسطے کہ ہم کو اس سے کچھ تعلق نہ تھا۔ بلکہ محلے میں اگر کوئی غیر آدمی مر جائے جس سے کسی طرح واسطہ نہیں تو ہم کو بہت کم رنج ہو گا۔

پس رنج ہم کو اسی شخص کے مرنے کا ہوتا ہے' جس سے ہم کو تعلق ہے اور جتنا تعلق قوی ہے اسی قدر رنج زیادہ۔

نانی کی بھتیجی کی خالہ کی بہو کی پھوپھی کی بھانجی اگر مرے تو کیا دور کا واسطہ دور کا رشتہ۔ بلکہ رشتے ناتے پر کیا موقوف ہے محبت ملاپ میں بھی رنج ہوتا ہے۔

اب سوچنا چاہیئے کہ دنیا میں ہم کو کس سے زیادہ تعلق ہے اس کے واسطے کوئی قاعدہ مقرر نہیں۔ قریب کا رشتہ ہوا اور سدا کی لڑائیاں' سدا کے بگاڑ رہے تو ایسے رشتے دار غیر داخل لیکن غیر ہی رشتہ نہیں' قرابت نہیں محبت ملاپ بہت کچھ وہ رشتے داروں سے بڑھ کر ہے۔

پس ہر ایک شخص موافق اپنی حالت کے خاص تعلق رکھتا ہے۔ یہ دنیاوی تعلقات سب فائدے اور غرض سے ہوتے ہیں اگر اپنا سگا ہمارے فائدے میں خلل انداز ہو' ضرور ہے کہ وہ ہم سے چھوٹ جائے۔ اگر غیر آدمی ہمارے کام آوے ضرور ہے کہ وہ ہم کو مثل اپنوں کے عزیز ہو لیکن وہ فائدہ جس سے تعلق پیدا ہوتا ہے ضرور نہیں کہ روپے پیسے کا ہو۔ اگرچہ اکثر اسی قسم کا ہوتا ہے۔

کبھی امید اور توقع سے بھی تعلق پیدا ہوتا ہے۔ بہت لوگ ہمارے دوست ہیں ہم کو کچھ دے نہیں دیتے، لیکن یہ توقع کہ اگر کبھی ہم کو کسی طرح کی ضرورت ہو تو یہ کام کرنے والے ہیں تعلق کے پیدا ہونے کی وجہ ہوتی ہے۔

میں اس بحث کو بہت طول دے سکتا ہوں اور جس قدر اس بحث کو طول دیا جائے مناسب ہے لیکن اصل مطلب میرا اس خط میں صرف اولاد کے تعلق سے بحث کرنا ہے اور اگر فرصت ملے گی تو انشاء اللہ اس تعلق پر ایک کتاب لکھ کر تم کو بھیج دوں گا۔

یہ تعلق جو اولاد سے ہے عام ہے کوئی ماں باپ بلکہ کوئی جانور تک اس سے خالی نہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف فائدے اور غرض پر اس کی بنا نہیں بلکہ خداوند عالم جو دانش مند ہے۔ اس کا انتظام چاہتا ہے کہ ضرور ماں باپ کو اپنی اولاد کی محبت ہو۔

اولاد چند سال تک محتاج پرورش ہوتی ہے تاکہ اولاد کی پرورش اچھی طرح ہو، ماں باپ کو اولاد کی محبت لگا دی کہ اس محبت کے لگاؤ سے بچوں کو پالیں اور بڑا کریں، یہاں تک کہ بڑے ہو کر خود دنیا میں رہنے سہنے لگیں۔ پس ماں باپ پرورش اولاد کے واسطے ان کے خدمت گزار ہیں۔

پس اولاد کا پال دینا صرف اتنا تعلق تو خدا کی طرف سے ماں باپ کو دیا گیا باقی یہ بکھیڑے کہ اب اولاد کی تمنا ہے نہیں ہے تو دوا ہے اور علاج ہے اور تعویذ گنڈہ ہے عمل ہیں اور دعا ہے یا اولاد ہوئی تو یہ فکر ہے کہ بیٹے ہوں، بیٹیاں نہ ہوں، یا جو ہوں زندہ رہیں۔ یہ خود انسان کی اپنی ہوس کے ہیں۔

رہی یہ بات کہ اولاد کی تمنا جو آدمی نے خدا کی مرضی سے زیادہ اپنے دل میں پیدا کی، کس وجہ سے ہوتی ہے بے شک فائدہ اور غرض کے واسطے ہوتی ہے لیکن فائدے کئی قسم کے ہیں۔

بعض یہ سمجھتے ہیں کہ اولاد سے نام چلتا ہے۔

بعض کو یہ خیال ہوتا ہے کہ بڑھاپے میں ہمارے مددگار ہوں گے۔

بعض کو یہ تصور ہوتا ہے کہ ہمارا مال و دولت ہمارے بعد لیں گے۔

اب ان خیالات پر غور کرو کس قدر بے ہودہ اور غلط ہیں۔ نام چلنا کیا معنی؟ کہ لوگ یہ جانیں کہ فلانے کے بیٹے۔ فلانے کے پوتے ہیں۔

اول تو جب ہم خود دنیا میں نہ رہے تو اگر کسی نے ہم کو جانا تو کیا اور نہ جانا تو کیا؟ علاوہ اس کے غور کرو کہ کہاں تک نام چلتا ہے؟ کسی آدمی سے اس کے باپ داداؤں کے نام پوچھو شاید دادے تک تو سب کوئی بتا سکے گا اس سے اوپر خود اولاد کو معلوم نہیں کہ ہمارے پڑدادا اور سکڑ

دادا کون بزرگ تھے؟ دوسرے لوگوں کو ان کے مردوں کی ہڈیاں اکھاڑنے کی کیا ضرورت ہے؟

پس اگر بالفرض نام چلا بھی تو ایک یا دو پشت آگے خیر صلاح اور ایک یا دو پشت نام چلنا بھی صرف خیالی بات ہے۔

دس برس سے میں پہاڑ پر ہوں ہزاروں آدمی مجھ کو جانتے ہیں اور ہزاروں کو میں جانتا ہوں لیکن نہ وہ میرے باپ کو جانتے ہیں اور نہ میں ان کے باپوں سے واقف ہوں نہ کچھ باپ کا نام بتانے یا پوچھنے کی کبھی ضرورت واقع ہوتی ہے۔

دوسری وجہ تمنائے اولاد کی یہ فائدہ ہے کہ بڑھاپے میں مددگار ہوں، لیکن یہ خیال کس قدر واہیات ہے یہ کیوں کر یقین ہے کہ ان کے بڑے ہونے تک ہم جیتے رہیں گے یا ہمارے بڑھاپے تک یہ زندہ رہیں گے؟ اور بالفرض زندگی کا اتفاق بھی ہوا تو اولاد کا مددگار ہونا محض خیالی بات ہے۔

ان وقتوں میں ہم ایسی اولاد بہت کم پاتے ہیں، جن کو ماں باپ کا ادب ملحوظ رکھتا ہے یا جن کو والدین کی خدمت گزاری کا خیال ہوتا ہے، ادب اور خدمت گزاری تو درکنار اب تو اکثر اولاد سے ماں باپ کو ایذا اور تکلیف پہنچتی ہے۔

جس اولاد کی لوگ تمنا کرتے ہیں۔ شروع سے آخر تک ان کے ہاتھوں رنج پاتے ہیں، جب تک چھوٹے ہیں پالنا ایک مصیبت۔ آج آنکھیں دکھتی ہیں کبھی پسلی کا دکھ ہے کبھی دانت نکلتے ہیں کبھی چیچک نکلی ہے خدا خدا کر کے بڑے ہوئے تو ان کے کھانے کپڑے کی فکر، آدمی نہیں معلوم کس حالت میں ہے نوکر ہے یا نہیں؟ پیسہ ہے یا نہیں؟ ان کو جہاں سے ہو سکے دینا ضرور ماں باپ کو فاقہ ہو تو ہو، ان کو کچھ نہ ہو تو بھی دمڑی روز کے چنے چاہئیں، عید ہو بقر عید ہو، میلہ ہو، تہوار ہو، لاؤ بھائی نیا جوڑا، سودا کھانے کو چار ٹکے پیسے یہاں تک بھی غنیمت ہے۔

اب ماں باپ چاہتے ہیں کہ لڑکا کام سیکھے پڑھے اور لڑکا پاجی ہے کہ پڑھنے کے نام سے کوسوں بھاگتا ہے۔ جب تک مکتب کے چار لڑکے ٹانگ کر نہ لے جائیں، جانا قسم ہے اور وہاں گیا استاد کی آنکھ بچی کہیں چوراہے جا نکلے کہیں نہر پر کھڑے گیڑیاں کھیلتے ہیں کہیں بازاروں میں خاک چھنتے پھرتے ہیں اور ذرا بڑے ہوئے ماں باپ کو جواب دینے لگے۔ لچوں کی صحبت، بدمعاشوں کے ساتھ، ناچ کا پرہیز ہے، نہ بری صحبت سے گریز، باپ داداؤں کو بدنام کرتے پھرتے ہیں، اسی طرح بعضے شاطر بدمعاش، چور، جواری، شراب خور ہو جاتے ہیں۔

اب اولاد بیاہنے قابل ہوئی تمام شہر چھان مارا کہیں ڈھب کی بات نہیں ملتی۔ مشاطہ پاؤں توڑ

توڑ کر تھی۔ میل ملاپ والے ہار کر بیٹھ رہے' کنبے کے لوگ ایک ایک سے کہہ چکے کوئی ہامی نہیں بھرتا ایک خرابی میں جان ہے ماں بے چاری کہیں منتیں مانتی پھرتی ہیں۔ کہیں کھڑی فال گوش لے رہی ہیں۔ کہیں گڑیا کا بیاہ ہو رہا ہے۔ پانچوں وقت دعا ہے الٰہی غیب سے کسی کو بھیج۔

خدا خدا کر کے نسبت ناتا ٹھہرا تو ایسی جگہ کہ یہاں ماں بے چاری کے پاس چاندی کا تار تک نہیں' سمدھیانے والے چھپکے کے بالے مانگتے ہیں۔ کسی طرح اپنے تئیں بیچ کر بیاہ کیا۔ چڑیا کی جان گئی کھانے والے کو مزہ نہ ملا' جہیز ہے کہ پھنکا پھنکا پھرتا ہے' سمدھن کہتی ہیں اوئی کیا دیا؟ ایسی نہوت میں بیٹی جننی کیا ضرور تھی؟ کوئی چیز خاطر تلے نہیں آتی بات بات میں طعنہ ہے۔

داماد صاحب جو تشریف لائے تو ان کے دماغ نہیں ملتے۔ جب تک سسرے سے جوتیاں سیدھی نہ کرائیں ہاتھ تک نہیں دھوتے کھانے کی کون کہے۔

چوتھی نہیں ہوئی کہ میاں بی بی میں جوتی پیزار ہونے لگی' بیٹی کی بیٹی رہی اور لڑائی کی لڑائی مول لی۔ پھر یہ نہیں کہ کچھ ایک دن کی ہی نہیں بس عمر بھر کو مصیبت کا چرخہ چلا۔

بیٹی کی اولاد ہونی شروع ہوئی۔ ماں بے داموں کی لونڈی بے تنخواہ کی دایہ' عمر بھر اپنے بچے پالنے کی مصیبت جھیلتی رہی۔ اب خدا خدا کر کے دو برس سے آرام نصیب ہوا تھا بیٹی کے چینگے پوتے سنبھالنے پڑے۔

اگر بہو آئی تو فساد کی گانٹھ لڑائی کی پوٹ ساس کو تو جوتی کے برابر نہیں سمجھتی' نندوں کا دم ناک میں کر رکھا ہے۔ نہ جیٹھ کا حجاب' نہ سسرے کا آداب عورت ہے کہ مردوں کی پگڑی اتارے لیتی ہے' خدا پناہ میں رکھے۔

بیٹے نالائق کو دیکھئے کہ بی بی نے تو یہ آفت برپا کر رکھی ہے۔ یہ مردود بی بی کی حمایت کرتا ہے اور الٹا ماں باپ سے لڑتا ہے۔ یہاں تک کہ بے چارے ماں باپ گھر چھوڑ الگ کرائے کے مکان میں جا رہے۔

یہ نتیجہ اس وقت کی اولاد سے ماں باپ کو ملتا ہے۔ بہت کم ہیں وہ لوگ جو اولاد سے راحت پاتے ہیں۔

پس ہم لوگ اپنی بے وقوفی سے اولاد کی کیا تمنا کرتے ہیں گویا آفت اور مصیبت کو آرزو کر کے بلاتے ہیں۔

اب رہا یہ خیال کہ مال و دولت کا کوئی وارث ہو اس وجہ سے اولاد کی تمنا کی جائے۔ یہ خیال جیسا مہمل اور پوچ اور لچر اور خرافات ہے ظاہر جب آدمی خود دنیا سے اٹھ گیا تو اس کی دولت اگر

ں کے بیٹوں نے لی تو کیا اور اگر مال لاوارث قرار پا کر سرکار میں گیا تو کیا۔ یہ دولت عاقبت میں کچھ بکار آمد نہیں۔ مگر اسی قدر جو خدا کی راہ میں ہم خود صرف کر جائیں یا ہمارے نام سے خدا کی راہ میں صرف ہو جو ہم نے دولت کو خود صرف نہ کیا اور ایسا ضروری کام اولاد کے ذمے چھوڑ گئے تو ہم سے زیادہ کوئی احمق نہیں۔

جو اولاد ماں باپ کا اندوختہ مفت میں پا جاتے ہیں' ہرگز ان کو اس کے خرچ کرنے میں دریغ نہیں ہوتا۔

آدمی اسی روپے کی قدر کرتا ہے جس کو وہ خود اپنی قوت بازو اور عرق ریزی سے پیدا کرتا ہے اور بے محنت جو روپیہ ملتا ہے۔ اس کا حال یہی ہوتا ہے کہ!

مال حرام بود' بجائے حرام رفت

البتہ اولاد' ناچ' رنگ' سیر تماشے میں خوب دولت کو اڑائے گی' لیکن چاہیئے کہ باپ کے نام باجرے کے دلیے پر فاتحہ تک بھی دلائے' کیا مذکور؟

کیا ایسی مثالیں دنیا میں سینکڑوں' ہزاروں نہیں ہیں کہ لوگ بخل اور خست سے عمر بھر جمع کرتے رہے اولاد نے دولت پاتے ہی وہ گل چھرے اڑائے کہ چند روز میں باپ کا اندوختہ عمری فنا کر دیا۔

اللہ اللہ تلف کرو کہ اندوختہ بودا

اس بیان سے ظاہر ہو گا کہ جس قدر تعلق اولاد کے ساتھ ہم نے اپنے دل سے بڑھا لیا ہے۔ وہ ہمارے حق میں نہایت ضرر کرتا ہے۔ ہم کو اولاد کے ساتھ اس قدر تعلق رکھنے کا حکم ہے کہ جب تک وہ ہماری مدد کے محتاج رہیں۔ ان کو پرورش کریں اور اس پرورش کرنے میں بھی اس امید کو دل میں جگہ نہ دیں کہ اولاد بڑی ہو کر اس پرورش کے عوض کبھی ہماری خدمت کرے گی۔ یہ امید پیدا کرنا سخت درجے کی نادانی ہے۔ بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ خدا نے جو ہمارا مالک ہے۔ ان کی پرورش کی خدمت ہم سے متعلق کی ہے۔ ہم اولاد کو پالنے میں اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ یہ باغ خدا کا ہے اور ہم اس کی طرف سے اس باغ کے مالی ہیں۔ اگر باغ کا مالک کسی درخت کو قلم کرانے یا کاٹ ڈالنے کا حکم دے مالی کو یہ کہنے کا کب منصب ہے کہ میں نے اس درخت کو بڑی محنت سے پالا ہے۔ یہ کیوں کاٹا اور قلم کیا جاتا ہے۔

دنیا کے تمام تعلقات صرف اتنے واسطے ہیں کہ آدمی ایک دوسرے کو فائدہ پہنچائے ہم چند روز کے واسطے کسی مصلحت سے اس دنیا میں بھیجے گئے ہیں اور یہاں ہم کو کسی کا باپ کسی کا بیٹا'

کسی کا بھائی بنا دیا ہے اس واسطے کہ لوگ ہماری اور ہم لوگوں کی مدد کریں اور صلح کاری اور ناسازگاری میں اپنی زندگی جو مقرر کر دی گئی ہے پوری کر جائیں۔ دنیا ہمارا گھر نہیں ہے۔ ہم کو دوسری جگہ جا کر رہنا ہو گا' نہ ہم کسی کے ہیں نہ کوئی ہمارا ہے' ہم اگر کسی کے باپ ہیں تو صرف چند روز کے واسطے اور اگر کسی کے بیٹے ہیں تو بھی چند روز کے واسطے۔

اگر ہم کسی کو مرتا دیکھیں تو افسوس کی کیا بات ہے؟ افسوس تو جب کریں جب ہم یہاں بیٹھے رہیں' ہم کو خود وہی سفر درپیش ہے۔ نہیں معلوم کس گھڑی بلاوا ہو اور چلنا ٹھہر جائے پھر سب سے مشکل یہ ہے کہ مرنا صرف یہی نہیں ہے کہ بدن سے جان نکل گئی گویا روح ایک مکان سے دوسرے مکان میں چلی گئی نہیں وہاں جا کر بات بات کا حساب دینا ہو گا' زبان' جھوٹ' اور غیبت اور قسم اور فحش اور بے ہودہ بکواس کے واسطے جواب وہی کرے گی' آنکھ نظر بد کی سزا پائے گی۔ کان کو کسی کی بدی اور راگ سننے کے عوض میں گوشمالی دی جائے گی' ہاتھ نے کسی پر زیادتی کی ہے۔ یا پرایا مال چرایا ہے کاٹا جائے گا' پاؤں اگر بے راہ چلا ہے شکنجے میں کسا جائے گا بڑا ٹیڑھا وقت ہو گا خدا ہی اپنے فضل سے بیڑا پار کرے تو ہو سکتا ہے۔

جس کو ان باتوں سے فراغت ہو وہ کسی کے مرنے پر غم کرے یا کسی کے پیدا ہونے پر خوش ہو تو بجا ہے۔ لیکن دنیا میں کوئی ایسا ہے؟ جو اپنی عاقبت سے بے فکر ہو چکا ہو؟

اصغری اپنی خبر لو اور اس دن کے واسطے سامان کرو جہاں سوائے عمل کے کچھ کام نہ آئے گا اور دعا کرو۔ کہ خداوند عالم اپنے دوست محمد ﷺ کے طفیل سے ہم سب کا انجام بخیر کرے۔ والدعا۔

گنہگار

دور اندیش خان